قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

اشاعت کا سترواں سال

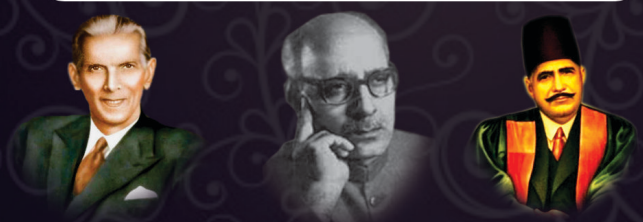
ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

دسمبر 2020ء

"لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" (الحدیث) حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے



علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ

قائداعظم محمد علی جناحؒ

اسلامی حکومت کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا ذریعہ قرآن مجید کے اصول اور احکام ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی۔ نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآنِ کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے اصول متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت، دوسرے الفاظ میں، قرآنی اصول و احکام کی حکمرانی ہے۔

(عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد دکن، اورینٹ پریس،

بحوالہ روزنامہ انقلاب، لاہور، 8 جنوری 1942ء)



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن کی روشنی میں اللہ اور انسان کا تعلق

1- اللہ کی ذات کے متعلق ہم ازخود کچھ نہیں جان سکتے انسان زمان و مکان میں مقید محدود علم کی صلاحیت رکھتا ہے اور وہ لامحدود کے علم رکھنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ خدا نے اپنی جن صفات کو قرآن میں بیان کیا ہے' ان سے ہم اس کے متعلق اتنا ہی اندازہ کر سکتے ہیں۔

2- خدا تمام کائنات کا خالق اور اس پر مطلق اختیار رکھتا ہے۔ خدا کی صفاتِ مطلق کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ ہر چیز کے پیمانے ان مطلق صفات کے تحت بناتا ہے۔ قرآن نے صفاتِ خداوندی کا ذکر' الاسماء الحسنیٰ کہہ کر مزید وضاحت کی ہے۔ حسن صحیح صحیح تناسب (Proportion) کا نام ہے۔ اگر کسی شے کا ذرا سا تناسب بھی بگڑ جائے تو اس کا حسن باقی نہیں رہتا۔ الاسماء الحسنیٰ خدا کی ذات کے مختلف پہلو (Facets) ہیں خدا کی ذات موجود فی الخارج ہے اور چونکہ مکمل ترین اور بلند ترین ذات ہے اس لئے اس کے خصائص وصفات بھی مکمل ترین اور بلند ترین ہیں۔

3- قرآن کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہونے کی وجہ سے صفات واقدارِ خداوندی کے علم کا حصول اسی قرآنِ کریم کے ذریعے ہی ممکن ہے' جسے قیامت تک کے لئے نوع انسانی کی ہدایت کے لئے محفوظ کر دیا گیا ہے اور اس کے علاوہ اللہ کی ہدایت جاننے کے لئے کوئی صورت نہیں۔ لہٰذا اس کی اطاعت کا بھی یہی مفہوم ہے کہ قرآن کریم میں دیئے گئے اقدار واحکام کی اطاعت کی جائے اس کو پکارنے کے معنی بھی یہی ہیں کہ زندگی کے ہر دوراہے پر' اس کی دی ہوئی راہنمائی سے دریافت کیا جائے کہ ہم کس راستہ کو اختیار کریں۔

4- خدا کی ذات میں اس کی صفات مکمل ترین شکل میں جلوہ بار ہوتی ہیں۔ بجز ان صفات کے جن کا تعلق خالصتاً خدا کی لامتناہیت اور لامحدودیت سے ہے' انسانی ذات کی بنیادی صفات خدا کی طرف سے ودیعت کی گئی ہیں' اس فرق کے ساتھ کہ:

(الف) انسانی ذات کی یہ صفات محدود' سمٹی ہوئی شکل میں ہوتی ہیں۔

بقیہ صفحہ نمبر 66 پر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

دسمبر 2020ء

جلد 73 شمارہ نمبر 12

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات: قائداعظمؒ کا ایک نایاب انٹرویو	ادارہ	4
قبلۂ اوّل اور ”مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمْ“	شیخ اللہ دتا ایڈووکیٹ، لاہور	6
ملائکہ کا اللہ کے تدبیرِ امور سرانجام دینے کی قوت کا تصور	ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد	25
عورتوں پر تشدّد۔۔۔ایک آیۂ کریمہ کی مذہبی و دینی تفسیر	خواجہ ازہر عباس، کراچی	35
فرمودات قائداعظمؒ	ادارہ	40
علامہ اقبالؒ سے سعادت مندانہ ملاقاتیں (گذشتہ سے پیوستہ)	مولانا حافظ غلام مرشد، مرحوم	45

چیئرمین: خورشید انور

مجلسِ ادارت

ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر منظور الحق

خواجہ ازہر عباس

مدیر انتظامی: محمد سلیم اختر

قانونی مشیر: ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

ادارہ کا مضمون نگار کی تحریر سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں۔

زرِتعاون: 50 روپے فی پرچہ

پاکستان: 600 روپے سالانہ

رجسٹرڈ ڈاک: 1000 روپے سالانہ

بیرونِ ملک: 2500 روپے سالانہ

رجسٹرڈ ڈاک: 5000 روپے سالانہ

ENGLISH SECTION

Surah Al-Najm (النجم) – Durus-al-Qur'an: Chapter 2 60

By G. A. Parwez (Translated by: Mansoor Alam)

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ 2، لاہور 54660، (پاکستان) Phone: 042-35714546

idarati@gmail.com www.facebook.com/Talueislam

Bank Account Idara Tolu-e-Islam

National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulbarg Lahore

For Domestic Transactions
Bank A/C No: ۰٤٦٥۰۰4073177672

For International Transactions
IBAN:PK36NBPA0465004073177672
Swift Code: NBPAPKKAA02L

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

طلوعِ اسلام

بیا ساقی نوائے مرغِ زار از شاخسار آمد
بہار آمد نگار آمد قرار آمد
کشید ابر بہاری خیمہ اندر وادی و صحرا
صدائے آبشاراں از فرازِ کوہسار آمد
سرت گردم تو ہم قانونِ پیشیں ساز دہ ساقی
کہ خیل نغمہ پردازاں قطار اندر قطار آمد
کنار از زاہداں برگیر وبیباکانہ ساغر کش
پس از مدت ازیں شاخِ کہن بانگ ہزار آمد
بہ مشتاقاں حدیث خواجہؐ بدر وحنین آور
تصرف ہائے پنہانش بچشمم آشکار آمد
دگر شاخِ خلیلؑ از خونِ ما نم ناک می گردد
ببازارِ محبت نقد ما کامل عیار آمد
سر خاکِ شہیدے برگہائے لالہ می پاشم
کہ خونش با نہالِ ملت ما سازگار آمد
''بیا تا گل بیفشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم وطرحِ دیگر اندازیم''

(بانگِ درا۔ علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

قائدِ اعظمؒ کا ایک نایاب انٹرویو

(امسال قائداعظمؒ کی سالگرہ کی مناسبت سے ہم قائداعظم علیہ الرحمہ کا ایک نایاب انٹرویو پیش کر رہے ہیں جو محترم مقبول محمود فرحت کی تحقیق اور جستجو کے نتیجہ میں دستیاب ہوا تھا۔ یہ نایاب انٹرویو روزنامہ انقلاب لاہور مورخہ 8 جنوری 1942ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ انٹرویو پاکستانیات اور تاریخ کے طالب علموں اور دانش ور حضرات کے لئے بہت مفید اور مددگار ثابت ہوگا۔ مدیر)

نقل بمطابق روزنامہ انقلاب، 8 جنوری 1942ء

(سرورق اصل میں 8 دسمبر 1942ء غلط پرنٹ ہے مگر لاہور میوزیم لائبریری نے اسے کاٹ کر 8 جنوری کیا ہوا ہے کیونکہ اندر کے تمام صفحات میں 8 جنوری پرنٹ ہے۔)

مسلمانوں کا نقطۂ نگاہ

(صفحہ نمبر:2 پر خبر)

پاکستان کے مسلمان کسی دوسرے اسلامی ملک کو دعوت نہیں دیں گے

مذہب اور مذہبی حکومت کے لوازم کے متعلق قائداعظم کے ارشادات

قائداعظم مسٹر محمد علی جناح حیدرآباد تشریف لائے تھے تو فوراً 19 اگست 1941ء کو راک لینڈ کے سرکاری مہمان خانے میں آپ نے طلباء اور دیگر نوجوانوں کو تبادلۂ خیالات کا موقع عنایت فرمایا تھا، باوجود علالت کے پون گھنٹہ سے زائد وہ حاضرین سے گفتگو فرماتے رہے۔ اس موقع پر نواب بہادر یار جنگ بھی وہیں تشریف فرما تھے اور بعض ہندو نوجوان بھی۔ قائداعظم نے مختلف سوالات کا خندہ پیشانی سے جواب دیا۔ مسٹر محمود علی بی۔اے (عثمانیہ) نے اس مکالمہ کو سوال و جواب کی صورت میں حسب ذیل طریقہ سے مرتب کر لیا تھا اور اب قائداعظم کی سالگرہ کی تقریب سعید کے موقع پر اورینٹ پریس کو دے دیا ہے۔

سوال: مذہب اور مذہبی حکومت کے لوازم کیا ہیں؟

جواب: جب میں انگریزی زبان میں مذہب Religion کا لفظ سنتا ہوں تو اس زبان اور محاورے کی رو سے میرا ذہن لامحالہ خدا اور بندے کے باہمی پرائیویٹ تعلق کی طرف منتقل ہوجاتا ہے لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ اسلام کے نزدیک مذہب کا یہ محدود اور مقید مفہوم نہیں۔ میں نہ کوئی مولوی ہوں نہ مُلّا۔ نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے۔ البتہ میں نے قرآن مجید اور قوانین اسلام کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی، سیاسی ہو یا معاشی، غرضیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو۔ قرآن کریم کی اصولی ہدایات اور طریق عمل نہ صرف مسلمانوں کے لئے بہترین ہیں بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے لئے حسن سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصہ ہے اس سے بہتر کا تصور ناممکن ہے۔

سوال: اس سلسلے میں اشتراکی حکومت وغیرہ کے باب میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: اشتراکیت۔ بالشویت یا کئی اور ایسے سیاسی اور معاشی مسلک دراصل اسلام اور اس کے نظام سیاست کی غیر مکمل اور بھونڈی سی نقلیں ہیں۔ ان میں اسلامی نظام کے اجزاء کا سا ربط، تناسب اور توازن نہیں پایا جاتا۔

سوال: ترکی حکومت تو ایک مادی اسٹیٹ یا حکومت ہے۔ اس سے اسلامی حکومت مختلف ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: ترکی حکومت پر میری نظر میں سیکولر اسٹیٹ (مادی یا لازمی حکومت) کی سیاسی اصطلاح اپنے پورے مفہوم میں منطبق نہیں ہوتی۔ اب رہا اسلامی حکومت کے تصور کا امتیاز یہ صاف ظاہر ہے۔ حکومت کے تصور کا بنیادی امتیاز پیش نظر رہے کہ ''اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے اس کی تعمیل کا ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی، نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن مجید کے احکام ہی سیاست، معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصولوں اور احکام کی حکمرانی ہے۔ آپ جس نوعیت کی بھی حکمرانی چاہتے ہوں بہرحال آپ کو سلطنت اور علاقہ کی ضرورت ہے۔

(اورینٹ پریس، بحوالہ روزنامہ انقلاب لاہور، مورخہ 8 جنوری 1942ء)

☆.....☆.....☆

شیخ اللہ دتا ایڈووکیٹ، لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خصوصی درس

قبلۂ اوّل اور ’’ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ ‘‘

صاحبِ درس کا تعارف اور ان کا ایک خصوصی درس ماہنامہ طلوعِ اسلام بابت ماہ اکتوبر 2020ء میں اور دوسرا خصوصی درس ’’عَبَسَ وَتَوَلّٰى (80:1)‘‘ اس ماہنامہ کی اشاعت بابت نومبر 2020ء میں شائع کیا جا چکا ہے۔

آج فروری 2018ء کی گیارہ تاریخ اور اتوار کا دن ہے۔ درسِ قرآنِ کریم کا آج کا موضوع ہے: قبلۂ اوّل اور مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ ۔

پہلے ہم دیکھیں گے کہ قرآنِ کریم کی رُو سے قبلۂ اوّل کونسا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ (3:96)

فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾ (3:97)

ترجمہ: پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا، یقیناً وہی ہے جو مکہ میں ہے، برکت دیا گیا اور سب قوموں کے لئے ہدایت ہے۔ اس میں کھلے کھلے نشان ہیں مقامِ ابراہیم، اور جو وہاں داخل ہوا امن والا ہو گیا اور لوگوں پر اللہ کے لئے اس گھر کا حج کرنا ہے اُس پر جو اس تک راہ پا سکے اور جس نے انکار کیا تو اللہ جہانوں سے بے نیاز ہے۔

اسی مقام کو جہاں یہ اوّل بیت واقع ہے، اُمّ القریٰ کہا گیا (6:93) اور اسی اوّل بیت کو اَلْبَيْتُ الْعَتِيْقِ کہا گیا (22:29، 22:33) جس کا معنی ہے ’’قدیم گھر‘‘۔ اسی کو رسولِ خدا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سے مخاطب ہو کر بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ کہا (14:37) پھر کعبہ کو اَلْبَيْتَ الْحَرَامَ قرار دیا ہے، (5:97)۔ اسی کعبہ کو قرآنِ کریم نے اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کہہ کر اس کا نام لیا ہے (17:1 و دیگر 14 مقام) اللہ تعالیٰ کا یہ قدیم گھر کعبہ کب قائم ہوا، اس کی پوری تاریخ سے ابھی تک پردہ نہیں اٹھا۔ البتہ سب سے پہلے نبیؑ نے ہدایتِ خداوندی کے مطابق اسے بنایا ہوگا پھر یہ حادثاتِ زمانہ سے متاثر ہوا اور اس کی نئی تعمیر (تقریباً 1800 ق م میں) سابقہ بنیادوں پر رسولِ خدا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند اسمٰعیل علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی۔ قرآنِ کریم

میں ہے کہ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ط (2:127) ان دونوں پیغمبرانِ خدا نے اس گھر کی (پہلی) بنیادوں پر تعمیر اُٹھائی۔ یہ پرانا اور قدیم گھر انسانی تاریخ کا خدا کی مخلوق، ذریتِ آدم کے لئے بنایا گیا اولین گھر ہے اور یہی کل نوعِ انسانی کی اولین توجہ کا مرکز (قبلہ) ہے۔

اللہ کے نبی صالح علیہ السلام کا قبلہ بھی یہی کعبہ تھا۔ ملتِ ابراہیمی کے مطابق مکہ معظّمہ میں واقع خدا کا گھر ہی قبلۂ اوّل ہے اور اس سے اعراض بے وقوفی ہے:

وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰھٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ط وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا ج وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۳۰﴾ (2:130)

ترجمہ: اور کون ابراہیمؑ کی ملت سے مونہہ موڑتا ہے سوائے اس کے جس نے اپنے آپ کو احمق بنایا اور یقیناً ہم نے اسے دنیا میں برگزیدہ کیا اور بے شک وہ آخرت میں اچھے لوگوں میں سے ہے۔

اس لئے حکم ہے کہ:

فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا ط وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (3:95)

پس راست رَو ہو کر ملتِ ابراہیمی کی پیروی کرو اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

قیامِ صلوٰۃ میں رخ کرنے کا معاملہ درپیش ہو تو درج ذیل حکم ہے:

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ط وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّی ط وَعَهِدْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعٰکِفِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ (2:125)

ترجمہ: ''اور جب مقرر کیا ہم نے خانہ کعبہ کو اجتماع کی جگہ لوگوں کے واسطے اور جگہ امن کی اور بناؤ ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ اور حکم کیا ہم نے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو کہ پاک کر رکھو میرے گھر کو واسطے طواف کرنے والوں کے اور اعتکاف کرنے والوں کے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے۔''

فریضۂ نبوی ﷺ:

رسول اللہ ﷺ بلا حکمِ خداوندی کوئی فریضہ ادا نہیں کرتے تھے:

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ط (6:50)

(میں تو اسی پر چلتا ہوں جو میرے پاس اللہ کا حکم آتا ہے)

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ط قُلْ مَا یَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآیِ نَفْسِیْ ج اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ج اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۵﴾ (10:15)

ترجمہ: اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے آیتیں ہماری واضح، کہتے ہیں وہ لوگ جن کو امید نہیں ہم سے ملاقات کی، لے آ کوئی قرآن اس کے سوا یا اس کو بدل ڈال، تو کہہ دے میرا کام نہیں کہ اس کو بدل ڈالوں اپنی طرف سے، میں تابعداری کرتا ہوں جو حکم آئے میری طرف، میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے رب کی بڑے دن کے عذاب سے۔''

یہاں تک کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں بیت اللہ ہی روزِ اوّل سے نوعِ انسانی کا قبلہ ہے جسے پہلے نبی نے بنایا اور جوادثِ زمانہ کا شکار ہونے کے بعد رسولِ خدا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند نبی اللہ اسمٰعیل علیہ السلام نے سابقہ بنیادوں پر (قریب 1800 قبل مسیح میں) دوبارہ تعمیر کیا۔ یہی کعبہ وقبلہ مرکز تھا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اسمٰعیل علیہ السلام، اسحٰق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام اور اسباط کا۔ نبیٔ خدا موسیٰ علیہ السلام کا قبلہ بھی یہی تھا۔

دوسری بات یہ کہ نبیٔ کریم محمد ﷺ بلا حکمِ خداوندی (اپنی مرضی سے) کوئی کام نہیں کرتے تھے۔

اب آتا ہے آج کے درس کا دوسرا موضوع ''مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ'' مذکورہ بالا عنوان اس آیۂ مبارکہ کا حصہ ہے جو سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 142 ہے:

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۭ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾

ترجمہ حکیم الامت اشرف علی تھانوی صاحب

''اب تو بیوقوف لوگ ضرور کہیں ہی گے کہ ان کو ان کے قبلہ سے جس طرف پہلے متوجہ ہوا کرتے تھے کس بات نے بدل دیا۔ آپ فرما دیجئے کہ سب مشرق اور مغرب اللہ ہی کی ملک ہیں جس کو خدا ہی چاہیں سیدھا طریقہ بتلا دیتے ہیں۔''

حاشیہ: جب کعبہ قبلۂ نماز مقرر ہو کر یہود کا قبلہ متروک ہو گیا تو بوجہ ناگواری کے اب تو (یہ) بے وقوف لوگ ضرور کہیں ہی گے کہ ان (مسلمانوں) کو اُن کے (سابق سمتِ) قبلہ سے (کہ بیت المقدس تھا) جس طرف پہلے متوجہ ہوا کرتے تھے کس بات نے (دوسری سمت کی طرف) بدل دیا۔ آپ (جواب میں) فرما دیجئے کہ سب (سمتیں خواہ) مشرق (ہو) اور (خواہ) مغرب (ہو) سب اللہ ہی کی ملک ہیں (خدا تعالیٰ کو مالکانہ اختیار ہے جس سمت کو چاہیں مقرر فرما دیں کسی کو منصب، علت دریافت کرنے کا نہیں ہے اور سیدھا طریقہ احکامِ شرعیہ کے باب میں یہی اعتقاد ہے لیکن بعضوں کو اس راہ کے اختیار کرنے کی توفیق نہیں ہوتی خواہ مخواہ علتیں ڈھونڈتے پھرا کرتے ہیں (البتہ) جس کو خدا ہی (اپنے فضل سے) چاہیں (یہ) سیدھا طریق بتلا دیتے ہیں۔

ترجمہ: امام محمد احمد رضا خاں بریلوی صاحب:

''اب کہیں گے بیوقوف لوگ کس نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے جس پر تھے۔ تم فرما دو کہ یورب پچھّم سب اللہ ہی کا ہے جسے چاہے سیدھی راہ چلاتا ہے۔''

حاشیہ: شانِ نزول، یہ آیت یہود کے حق میں نازل ہوئی جب بجائے بیت المقدس کے کعبہ معظّمہ کو قبلہ بنایا گیا اس پر انہوں نے طعن کئے کیونکہ یہ انہیں ناگوار تھا اور وہ نسخ کے قائل نہ تھے۔ ایک قول پر یہ آیت مشرکین مکہ ایک قول پر منافقین کے حق میں نازل ہوئی۔۔۔''

ترجمہ شیخ الہند محمود الحسن صاحب:

''اب کہیں گے بیوقوف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے جس پر وہ تھے۔ تو کہہ اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب، چلائے جس کو چاہے سیدھی راہ۔''

اس پر شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی صاحب کا تفسیری حاشیہ ملاحظہ فرمائیں:

''حضرت محمد ﷺ جب مکہ سے مدینہ تشریف لائے تو سولہ سترہ مہینے بیت المقدس ہی کی طرف نماز پڑھتے رہے اس کے بعد کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم آ گیا تو یہود اور مشرکین اور منافقین اور بعضے کچے مسلمان ان کے بہکانے سے شبہے ڈالنے لگے کہ یہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے جو قبلہ تھا پہلے انبیاء کا اب انہیں کیا ہوا جو اُس کو چھوڑ کر کعبہ کو منہ کرنے لگے۔ کسی نے کہا کہ یہود کی عداوت وحسد سے ایسا کیا، کسی نے کہا کہ یہ اپنے دین میں متردّد اور متحیر ہیں جن سے ان کا نبی اللہ ہونا ظاہر نہیں ہوتا۔ مخالفوں کے اس اعتراض اور اس کے جواب کی جو آگے ہے اللہ نے اطلاع فرما دی کہ کسی کو اس میں کوئی تردد نہ ہو اور جواب میں تائل نہ ہو۔''

شاہ رفیع الدین دہلوی صاحب کا لفظی ترجمہ درجِ ذیل ہے:

''شتاب ہے کہ کہیں بے وقوف لوگوں میں سے، کس چیز نے پھیر دیا اُن کو قبلے اُن کے سے جو تھے وہ اُوپر اس کے۔ کہہ واسطے خدا کے ہے مشرق اور مغرب راہ دکھاتا ہے جس کو چاہتا ہے طرف راہ سیدھی کی۔''

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''نادان لوگ ضرور کہیں گے انہیں کیا ہوا کہ پہلے یہ جس قبلے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، اس سے یکا یک پھر گئے؟ اے نبیؐ! ان سے کہو: ''مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے، سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔''

اس پر ان کا مختصر حاشیہ بھی دیکھ لیں:

''نبی ﷺ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں سولہ یا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ پھر کعبے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم آیا۔''

سید حسن عباس رضوی مرحوم نے اپنی کتاب قبلۂ اوّل (صفحہ نمبر 89) میں اس آیت (2:142) کا قرآنی پس منظر بیان کیا ہے اور پھر ترجمہ بھی دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

''قبلہ سے پھرنے کا حادثہ یہود و نصاریٰ کو پیش آیا تھا:

سورۃ البقرہ کی آیت 124 تا آیت 141 میں جو حقائق بیان کئے گئے ہیں۔ ان سے یہ بات بلا شک وشبہ ثابت ہوگئی ہے کہ اصل مرکز انسانیت یعنی قبلہ خانہ کعبہ ہی تھا۔ جسے معمارِ حرم حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ اور اُن کے فرزندِ ارجمند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ذبیح اللہ نے ارشاد خداوندی کی تعمیل میں از سرِ نو تعمیر کیا تھا۔ اسی کو تمام انسانوں کے لئے حج کا مقام مقرر کیا گیا تھا یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ خواہ اسحاق علیہ السلام و یعقوب علیہ السلام (بنی اسرائیل) کی لڑی ہو، خواہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، دونوں کی قدرِ مشترک معمارِ حرم (ابراہیمؑ) تھے۔ دونوں کا مسلک (دین) ایک ہی تھا۔ جس کا محسوس اور مشہود مرکز خانۂ کعبہ تھا۔ یہی وہ دین تھا جس کے اتباع کی وصیت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کو کی تھی۔ (2:132) یہی نہیں اس کے بعد بتکرار یہ وضاحت کر دی گئی کہ ابراہیم علیہ السلام، اسمٰعیل علیہ السلام، اسحٰق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام اور اولادِ یعقوب مثلاً موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام جن کا خاص طور پر (2:136) میں ذکر کر دیا گیا، ایک ہی اُمت تھے (یعنی ایک ہی اُمت کے افراد اور رہنما تھے) ایک ہی مسلک کے حامل تھے اور ان سب کی ایک ہی تعلیم تھی (42:13) لیکن حضور ﷺ کے زمانہ میں جو یہود و نصاریٰ تھے وہ دین ابراہیمی علیہ السلام (جس کی وضاحت اُوپر کی گئی ہے) سے رُوگردانی کر چکے تھے۔ جس کا لازمی نتیجہ تھا کہ وہ اپنے اصلی قبلہ (خانہ کعبہ) سے بھی رُخ موڑ بیٹھے تھے۔ اور اپنے الگ قبلے بنا لئے تھے (2:145) جو شرک تھا۔ دینِ ابراہیمیؑ سے رُوگردانی کرنے والے سورۃ البقرۃ کی آیت 130 کے حوالے سے سفہاء کہلائے۔ اب جب کہ بتکرار یہ بات اُن کے ذہن نشین کرائی گئی کہ تمام انبیاء علیہم السلام بنی اسرائیل کا ایک ہی مسلک تھا۔ یعنی مسلکِ ابراہیمی علیہ السلام جس کا مرکز (قبلہ) خانہ کعبہ تھا۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ (2:142)

''تو وہ لوگ جو اپنی کم نگہی کی وجہ سے دینِ ابراہیمیؑ سے رُوگردانی کر چکے تھے (2:130) یعنی سفہاء (خواہ یہودی ہوں خواہ انصاریٰ) لازمی طور پر سوچیں گے اور کہیں گے کہ اگر یہی بات ہے کہ تمام انبیاءؑ بنی اسرائیل کا قبلہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کا تعمیر کردہ خانہ کعبہ ہے تو پھر اُن کے ساتھ یہ حادثہ کب اور کیونکر پیش آیا کہ وہ اس قبلہ سے پھر گئے جو اُن کا اور اُن کے آباؤ اجداد (ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ اور اسباط) کا اصل قبلہ تھا، یعنی خانہ کعبہ۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، اس آیت میں ھُم، ھِم اور کانوا کی ضمیریں سفہاء کی طرف (2:130) لوٹتی ہیں جو ان کا لازمی اور اصل مرجع ہے۔ مسلمان بیچ میں کہاں سے آ گئے؟ ان کا تو یہاں ذکر ہی نہیں۔ پس ھُم، ھِم اور کانوا کی ضمیروں

کی مسلمانوں سے غلط نسبت نے بات کہاں سے کہاں پہنچادی اور اس ناسمجھی نے مسلمانوں کو ''سفہاء'' کی صف میں لا کھڑا کیا۔ یہ ہیں اسرائیلی سازش کے کرشمے، جن سے مسلمان اپنی آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ کاش یہ سمجھتے کہ یہ راستہ انہیں کہاں اور کس طرف لئے جارہا ہے۔''

کچھ ایسا ہی مفہوم علامہ غلام احمد پرویز مرحوم نے بھی بیان کیا ہے:

''ان لوگوں (یہودیوں) کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ جب سابقہ اہلِ کتاب کا قبلہ (مرکز) بیت المقدس چلا آرہا تھا تو مسلمانوں نے اس سے روگردانی کر کے کعبہ کو اپنا قبلہ (مرکز) کیوں بنایا؟ یعنی اُس کے بجائے اسے کیوں اپنا قبلہ قرار دیا۔''

ادارہ بلاغ القران کی طرف سے جو تفسیر القرآن بالقرآن شائع کی گئی ہے، اس میں درج ذیلِ ترجمہ دیا گیا ہے:

''بیوقوف (لوگ جو نہیں جانتے کہ بیت الحرام کی مرکزیت دائمی ہے، آپ کی ہجرت پر) بلاشبہ یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو اس قبلہ مکہ معظّمہ سے، جہاں یہ تھے، (دوسرے مرکز مدینہ کی طرف) کس نے موڑ دیا۔ اے رسول ﷺ! کہہ دیجئے گا کہ مشرق و مغرب (ساری دنیا) اللہ تعالیٰ کی ہے۔ جو کوئی چاہتا ہے، اسے صراطِ مستقیم کی راہنمائی کر دیتا ہے۔''

مندرجہ بالا تراجم کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ کی درجِ ذیل چار طرح تعبیر کی جاسکتی ہے۔

(1) ان مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے جس پر یہ پہلے تھے یعنی بیت المقدس، کس چیز نے پھیر دیا۔ یہ صریح تحویلِ قبلہ کا ذکر ہوگا۔

(2) ان مسلمانوں کو ان انبیاء علیہم السلام کے قبلہ سے (جن کا ذکر ابھی نام لے کر ہوا ہے (2:136) جس پر وہ انبیاء علیہم السلام تھے یعنی بیت المقدس، کس چیز نے پھیر دیا۔ اس طرح تحویلِ قبلہ ضروری نہیں ٹھہرتی۔

(3) اگر تمام انبیائے بنی اسرائیل علیہم السلام کا قبلہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل کا تعمیر کردہ خانہ کعبہ ہے تو پھر ان (یہود، نصاریٰ کے ساتھ یہ حادثہ کب اور کیونکر پیش آیا کہ وہ اس قبلہ سے پھر گئے جو اُن کا اور ان کے آباؤ اجداد ابراہیم علیہ السلام، اسمٰعیل علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام اور اسباط کا اصل قبلہ تھا یعنی خانہ کعبہ۔

(4) ان مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے جس پر وہ تھے یعنی خانہ کعبہ کس چیز نے بھگا دیا۔ اور یہ اشارہ ہوگا ہجرت کی طرف کہ جب ان کا قبلہ خانہ کعبہ تھا تو وہاں سے بھاگ کر کیوں آئے۔

مندرجہ بالا چاروں تعبیروں میں سے نمبر (1) کے علاوہ باقی تین تحویلِ قبلہ کی قائل نہیں۔ رہی تعبیر (1) تو یہ درج ذیل وجوہ کی بنا پر محلِ نظر ہے:

1۔ نبیٔ کریم ﷺ کا فریضۂ نبوی یہ تھا کہ وہ اپنی طرف آنے والی وحی کے مطابق عمل کریں اور قرآنِ کریم کے احکامات میں اپنی طرف سے تبدیلی نہ کریں۔ پورے قرآنِ کریم میں الحمد سے والناس تک کہیں یہ حکم نہیں کہ آپ ﷺ بیت المقدس کی طرف مونہہ کر کے نماز ادا کریں۔ اس لئے آپ نے ساری زندگی بیت المقدس کی طرف مونہہ کر کے نماز نہیں پڑھی، نہ پڑھ

سکتے تھے۔

جب بیت المقدس کی طرف مونہہ کر کے نماز ادا ہی نہیں کی تو تحویلِ قبلہ کی تعبیر بے بنیاد ہے۔

2۔ مکہ معظّمہ میں نبیٔ کریم ﷺ، نبیؐ ہونے سے قبل بھی صلوٰۃ ادا کرتے تھے اور بعد میں بھی آپ نے کبھی بیت اللہ اور بیت المقدس ایک سیدھ میں رکھ کر نماز ادا نہیں کی۔ یہ آپ ﷺ کے خلقِ عظیم کے منافی ہے۔

3۔ تحویلِ قبلہ کا جو جواب یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (2:142) میں دیا گیا ہے وہ اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ تسلیم کر لیا جائے کہ آپ کبھی صراطِ مستقیم پر نہ تھے۔ انتہائی غور طلب بات ہے قرآنِ کریم کی شہادت ہے کہ: اِنَّكَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (43:43)، اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ (4-36:3)۔

4۔ بیت المقدس تاریخی حقائق کے مطابق دوسری دفعہ رومی جرنیل ٹائٹس کے ہاتھوں 70ء میں یروشلم شہر سمیت مسمار کر دیا گیا تھا۔ کتاب اطلس القرآن شائع کردہ دارالسلام لاہور، صفحہ: 316 تالیف دکتور شوقی ابوخلیل، کے مطابق نبیٔ کریم ﷺ حسبِ روایت معراج کو جاتے ہوئے بیت المقدس پہنچے، اس وقت یہاں کوئی باقاعدہ مسجد تھی نہ ہیکل۔ 17ھ بمطابق 639ء میں عہدِ فاروقی میں عیسائیوں سے کئے گئے ایک معاہدے کے مطابق شہر یروشلم پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ خلیفہ عبدالملک بن مردان نے 72ھ بمطابق 691ء میں پرانے صخرہ پر سے کوڑا کرکٹ ہٹا کر قبہ تعمیر کر دیا اور اس کے ساتھ ایک مسجد تعمیر کر دی یہی قبہ الصخرہ آج کل مسجدِ اقصٰے کے نام پر مشہور ہے۔

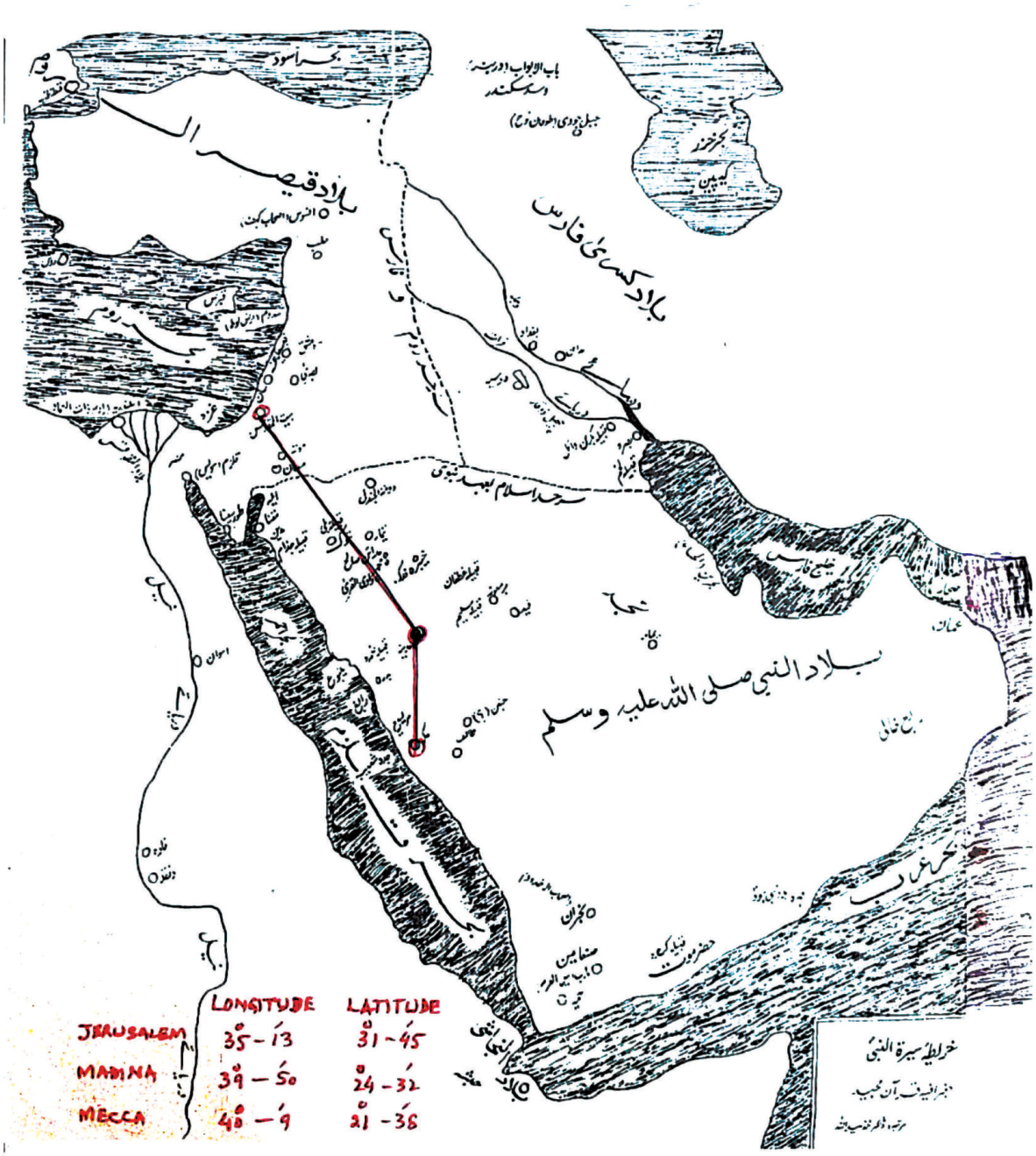
اس لئے جس قبلہ کی طرف 16-17 ماہ نماز کا رخ اختیار کر کے، روایتی طور پر مشہور ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے صلوٰۃ ادا کی، اس کا اس وقت وجود ہی نہیں تھا اور نہ ہی یہ کسی کا قبلہ یا مرکز تھا۔

5۔ روایتی تحویلِ قبلہ میں بتایا گیا ہے کہ مسلمان، نبیٔ کریم ﷺ کے ہمراہ مدینہ کی ایک مسجد میں یہودیوں کی اختیار کی ہوئی اور بتائی ہوئی سمتِ بیت المقدس پر نماز ظہر ادا فرما رہے تھے کہ تحویلِ قبلہ کا حکم ملا تو انہوں نے دورانِ نماز بیت المقدس کی طرف سے رخ پھیر کر بیت اللہ مکہ کی طرف کر لیا اور چند صحابہؓ نے بھی آپ کا ساتھ دیا۔ ذرا دیکھیں کہ بیت المقدس، مدینہ منورہ اور بیت اللہ مکہ کے جغرافیائی کوآرڈینیٹس کیا ہیں:

نام مقام	طول بلد	عرض بلد
یروشلم (بیت المقدس)	35°-13′	31°-45′
مدینہ منورہ	39°-50′	24°-32′
مکہ معظّمہ بیت اللہ	40°-9′	21°-38′

اس تعین مقامات کے اعتبار سے مدینہ منورہ درمیان میں پڑتا ہے اور بیت المقدس (یروشلم) شمال میں ذرا مغرب کی

نقشہ از تاریخ محمدؐ مصنفہ ایم ڈی تاروتی ایم اے ایل ایل بی 113 سی ماڈل ٹاؤن لاہور



طرف ہٹ کر عین شمال میں نہیں اور مکہ معظّمہ بیت اللہ جنوب میں تقریباً سیدھ میں۔ اگر تحویل قبلہ تسلیم کر لی جائے تو یہ رخ نماز میں شمال کی طرف سے ہٹا کر عین جنوب کی طرف کرنا ماننا پڑے گا۔ لیکن قرآنِ کریم میں ''سفہاء'' کے اعتراض کا جواب جو دیا گیا ہے اس میں مشرق و مغرب کا حوالہ ہے شمال و جنوب کا نہیں۔ صاف ظاہر کہ اعتراض اور جواب کا کوئی تعلق تحویلِ قبلہ سے نہیں۔

ذرا دھیان کریں کہ آیتِ کریمہ سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ (2:142) کا ایک ایک لفظ اور تراکیب تحویلِ قبلہ کی تعبیر کی تردید کے غماز ہیں۔ رہ گئی یہ بات کہ اس آیۂ کریمہ کی صحیح تعبیر کیا ہے، اس کے لئے بیان سے قبل چند الفاظ و تراکیب کی وضاحت ضروری ہے۔ آیئے دیکھیں۔

(1) سُّفَهَآءُ:

سَفَهٌ کے معنیٰ ہیں عقل کا ہلکا پن۔ نادانی، جہالت، ۔سَفِهَهُ ۔کسی کو جہالت بیوقوفی پر آمادہ کرنا۔ قرآن کی آیت (2:130) میں ہے وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ (ترجمہ: اور کون ہے جو پھرے ابراہیمؑ کے مذہب سے مگر وہی کہ جس نے احمق بنایا اپنے آپ کو)۔ درس کے ابتدائی حصہ میں بتایا جا چکا ہے کہ نوعِ انسانی کے لئے اللہ تعالیٰ کا ابتدائی (اوّل) گھر مکہ مکرمہ میں ہے اور سب انبیاء علیہم السلام کا مرکز یہی تھا حتیٰ کہ انبیائے نبی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام، داؤد علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کا مرکز بھی یہی کعبہ شریف ہے۔ اب جو کوئی کعبہ کی مرکزیت (قبلہ) ہونے کو تسلیم نہ کرے اور کسی اور جگہ کو قبلہ قرار دے وہ سُفَهَآءُ میں شامل ہوگا۔

اس کے علاوہ قرآنِ کریم نے منافقین کو سَفَهَآءُ کہا ہے (2:12) عقل و فکر سے کام نہ لینے والے اور مشرک بھی (6:140)۔

2۔ یہودی (بنی اسرائیل)۔ بیت المقدس:

جب کہ اوپر بتایا گیا ہے اس سے مراد بنی اسرائیل (یہودی) بھی ہیں جو کعبہ کو مرکز تسلیم نہیں کرتے تھے۔ مناسب ہوگا کہ بنی اسرائیل اور بیت المقدس کی سابقہ تاریخی حیثیت کا تذکرہ کر دیا جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بڑے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ خانہ کعبہ کو تعمیر کیا اور اسی بیٹے کو اس مرکزِ توحید میں آباد کیا۔ اپنے دوسرے بیٹے اسحٰق علیہ السلام کو کنعان ہی میں ٹھہرایا۔ اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے یعقوب علیہ السلام اپنے باپ کے بعد اسی مرکز میں قیام پذیر رہے تا آنکہ انہیں بال بچوں سمیت ان کے بیٹے یوسف علیہ السلام نے مصر میں بلا لیا اور پھر وہ لوگ وہیں آباد ہو گئے اور بنی اسرائیل کہلائے۔

رسولِ خدا موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل نے مصر سے ہجرت کی اور فلسطین میں آ کر آباد ہوئے۔ یہ ہجرت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے 600 سال بعد عمل میں آئی۔ رسولِ خدا یعقوب علیہ السلام نے، تاریخ کے مطابق، کنعان میں وحی الٰہی کے مطابق ایک مسجد تعمیر کی جس کا نام ''بیتِ ایل'' رکھا اور جس کی جگہ بعد میں بیت المقدس تعمیر ہوا۔ بیت المقدس کی تعمیر کا یہ واقعہ

961 قبل مسیح کا ہے، جب رسول خدا سلیمان علیہ السلام نے مسجد اور شہر کی تجدید کی۔ یہودی اسی مسجد بیت المقدس کو ہیکلِ سلیمانی کہتے ہیں اور اسے اپنا مرکز تسلیم کرتے ہیں۔

ہیکلِ سلیمانی (بیت المقدس) اور شہر یروشلم کو 586 قبل مسیح میں شاہِ بابل (عراق) بخت نصر نے مسمار کر دیا تھا اور دس لاکھ یہودیوں کو غلام بنا کر عراق لے گیا تھا۔ بخت نصر کے بعد 539 ق م میں شہنشاہِ فارس کورش کبیر (سائرس اعظم) نے بابل فتح کر کے، بنی اسرائیل کو فلسطین واپس جانے کی اجازت دے دی۔ جو لوگ واپس آئے، انہوں نے شہر یروشلم (بیت المقدس) اور ہیکل سلیمانی پھر تعمیر کر لئے۔ اسے ہی یروشلم کا نام دیا جاتا ہے۔

یروشلم کی دوسری تباہی رومیوں کے دور میں ہوئی۔ رومی جرنیل ٹائٹس نے 70 عیسوی میں شہر اور ہیکل دونوں مسمار کر دئے تھے۔ اس سے پہلے 137 ق م میں رومی شہنشاہ ہیڈرین نے شوریدہ سر یہودیوں کو بیت المقدس اور فلسطین سے جلا وطن کر دیا تھا۔

چوتھی صدی عیسوی میں رومیوں نے عیسائیت قبول کر لی اور یروشلم شہر میں گرجا گھر تعمیر کیا۔ بیت المقدس کی عمارت جس پتھر (صخرہ) پر تھی وہاں وہ لوگ کوڑا کرکٹ ڈالتے تھے۔ پہلے کئے گئے تبصرہ کے مطابق ڈاکٹر شوقی ابو خلیل نے کتاب اطلس القرآن میں لکھا ہے کہ جب نبی کریم معراج ﷺ کو جاتے ہوئے بیت المقدس پہنچے، اس وقت یہاں کوئی باقاعدہ مسجد تھی نہ ہیکل۔

17ھ (639ء) میں عیسائیوں سے کئے گئے ایک معاہدہ کے تحت یروشلم (بیت المقدس) شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ 70 عیسوی کی تباہی سے ہیکل سلیمانی کی ایک دیوار کا کچھ حصہ بچا ہوا تھا جہاں 2000 سال سے یہودی زائرین آ کر رویا کرتے تھے۔ اسے دیوارِ گریہ کہا جاتا ہے۔

یہ ویرانہ یونہی چلتا رہا۔ اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے 72ھ بمطابق 691ء میں اس جگہ ایک قبہ تعمیر کروا دیا جو اس کے دور کے تعمیری فن کا نادر شاہکار متصور ہوتا ہے۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے قبۃ الصخرہ کے ساتھ ایک عالیشان مسجد بھی تعمیر کروائی تھی جسے مسجدِ اقصیٰ کہا جاتا ہے۔ بعد میں زلزلہ سے اس کے کچھ حصے مسمار ہو گئے تھے جنہیں عباسی خلیفہ منصور نے 771ء میں دوبارہ تعمیر کروا دیا۔ سنہ 33-813 کے عباسی خلیفہ مامون الرشید نے اس قبہ کی مرمت کروائی تو اس پر عبدالملک کے بجائے اپنا نام نقش کروا دیا لیکن (حسنِ اتفاق دیکھئے کہ) اس کے عمال قبہ کا سنِ تعمیر تبدیل کرنا بھول گئے۔ وہ وہی 72ھ ہی رہا اور آج تک ایسے ہی محفوظ ہے۔

سابقہ اہلِ کتاب کا کونسا مرکز (قبلہ)؟ نزولِ قرآنِ کریم کے وقت وہاں کوئی مرکز، قبلہ یا قبۃ الصخرہ موجود ہی نہیں تھا اور یہودی (اور عیسائی) تاریخ اس مرکز کے چلے آنے کی تصدیق نہیں کرتی۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان کے تعمیر کردہ قبہ اور مسجد کو بیت المقدس کہنا صریحاً نادرست ہے۔ اُن دنوں اسے صرف یروشلم کہتے تھے۔ رہی دیوارِ گریہ تو یہ باقیات تھیں جن کا اپنا رُخ بھی کعبہ کی طرف بنتا ہے۔

کتاب اطلس القرآن جس کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے اس کے صفحہ 212 پر درج ہے بحوالہ یاقوت حموی کہ جب حضرت عمرؓ بیت المقدس آئے تو بیت اللحم کا ایک راہب حاضر ہوا۔ اس نے کہا کہ میرے پاس آپ کی طرف سے بیت اللحم (بیت المقدس کے جنوب میں 8 کلومیٹر کے فاصلہ پر) کے لئے امان نامہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے لاعلمی ظاہر کی تو اس نے وہ امان نامہ پیش کر دیا (جو اس نے دورِ جاہلیت میں عمرؓ سے لکھوایا تھا) حضرت عمرؓ نے پہچان کر کہا کہ یہ درست ہے مگر یہ ضروری ہے کہ ہم عیسائیوں کے ہر مقام پر مسجد بنائیں۔ راہب نے کہا ''بیت اللحم میں ایک محراب ہے جس کا رخ آپ کے قبلے کی طرف ہے، اسے آپ مسلمانوں کے لئے مسجد بنالیں اور گرجا منہدم نہ کریں۔ آپ نے گرجے کو چھوڑ دیا اور محراب کے پاس جا کر نماز پڑھی اور اسے مسجد بنالیا۔ اسے محراب عمر بن الخطاب کہا جاتا ہے اور فرنگیوں (صلیبیوں) نے جب شہر پر قبضہ کیا تو اس میں کوئی تبدیلی نہ کی اور کہا جاتا ہے کہ وہاں داؤدؑ اور سلیمانؑ کی قبریں ہیں۔ (بحوالہ معجم البلدان)

''یہودیوں کے قبلہ'' کی بھی خوب رہی۔ حضرت موسیٰؑ، حضرت ابراہیمؑ کے 600 سال بعد مصر سے فلسطین آئے۔ حضرت ابراہیم 1800 ق م میں فلسطین آئے تھے۔ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ نے 1000 ق م کے قریب اپنی سلطنت قائم کی اور حضرت سلیمانؑ نے 961 ق م میں ہیکل سلیمانی تعمیر کروایا۔

یہودی شریعت کی بنیاد حضرت موسیٰؑ کی کتاب ہے۔ ان کا قبلہ کونسا تھا؟ حضرت موسیٰؑ کو تو حکم تھا۔ وَاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ (10:87) ترجمہ: ''اور بناؤ اپنے گھر قبلہ رُو اور قائم کرو نماز۔'' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا قبلہ بھی مکہ معظّمہ کا کعبہ تھا۔ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کیونکر نیا قبلہ بنا سکتے تھے۔ وہ یہودی (بنی اسرائیل) تھے اور منبع شریعتِ موسوی۔ ان کا قبلہ بھی کعبہ شریف ہی تھا۔ حضرت موسیٰؑ کے وقت میں تو بیت المقدس کا وجود تک نہ تھا۔

(3) مَا وَلّٰىهُمْ:

تراجم میں غلطی لگنے کا ایک سبب عربی زبان کی رُو سے مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ کے صحیح معنوں کا اس جگہ استعمال نہ ہونا بھی ہے۔ عربی زبان میں اس مادہ کے معنی اس طرح آتے ہیں:

وَلِيَ۔ يَلِيْ وِلَايَةً و وَلَايَةً ... اَلشَّيْئَ وَعَلَى الشَّيْئِ: والی ہونا۔ متصرف ہونا۔

وَلّٰى تَوْلِيَةً ... فُلَاناً الْاَمْرَ: والی مقرر کرنا۔

وَلَّى الشَّيْئَ و عَنِ الشَّيْئِ: اعراض کرنا، دور ہونا۔

وَلّٰى هَارِباً: پیٹھ دیکر بھاگنا۔

تَوَلّٰى تَوَلِّياً هارياً۔ پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا۔

تَوَلِّيْ (Tawalli)۔ Turn the Back, yield, take to fight, turn away, remove to a

distance, desist. give up (Stiengass Arabic-English Dictionary)

(4) اَلْقِبْلَةُ:

قَبَلَ کا اسمِ نوع۔ جہت۔ جس کا سامنا کیا جائے۔ قِبْلَةٌ کی جمع قِبَلٌ۔

(5) اَلْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ:

اَلشَّرْقُ شگاف کو کہتے ہیں۔ شَرَقتِ الشَّمْسُ سورج نکل آیا۔ اَشْرَقَتِ الشَّمْسُ سورج نے روشنی کردی۔ اَلشَّرْقُ آفتاب کا روشن ہونا۔ مَشْرِقٌ وہ جگہ جہاں سے آفتاب طلوع ہوتا ہے۔

غَرَبَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ۔ سورج غروب ہوا۔ مَغْرِبُ الشَّمْسِ۔ آفتاب غروب ہونے کی جگہ یا وقت۔

قرآنِ کریم میں ہے: وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ (2:115)، سورۃ ص، میں بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ (38:18) بھی آیا ہے۔ سورۃ الرحمٰن میں رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ (55:17) آیا ہے یعنی سردی اور گرمی میں طلوع اور غروب کے انتہائی مقامات۔ اس سے مراد تمام روئے زمین ہے۔ اسی طرح مشرقی اور مغربی زمینوں کے لئے مشارق اور مغارب بھی آیا ہے (70:40) اور صرف مَشَارِق بھی (37:5) سورۃ اعراف میں ہے کہ خدا نے بنی اسرائیل کو ارضِ بابرکت کے مشارق ومغارب کا مالک بنادیا (7:137) یعنی اس بابرکت زمین کے ان حصوں کا جو اس کے شرق وغرب میں واقع تھے یا اس پورے کے پورے خطہ کا۔ اس لئے قرآنِ کریم نے جہاں کہا ہے وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ (2:115) تو اس سے مراد تمام روئے زمین ہے۔

(6) صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ:

صراط وہ راستہ جو ہزاروں رہروؤں کو نگلتا چلا جاتا ہے شاہراہ۔ قرآن کریم نے الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (1:5) کو دوسرے مقام پر طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ (46:30) کہہ کر صراطٌ کے معنی طَرِيْقٌ (راستہ) بتادئے ہیں۔

مُّسْتَقِيْمٍ: اِسْتِقَامَةٌ سے بابِ استفعال سے اسم فاعل۔ اِسْتَقَامَ الْاَمْرُ۔ کسی معاملہ کا معتدل ومتوازن ہوجانا۔ مُّسْتَقِيْمٍ۔ معتدل ومتوازن۔ محکم واستوار۔ ثابت ودائم۔

اللہ تعالیٰ کا اپنا مقرر کردہ، کیونکہ قرآنِ کریم میں آتا ہے۔۔۔ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (11:56)، هٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ (6:126) ترجمہ: بیشک میرا رب صراطِ مستقیم پر ہے، یہ تیرے رب کا راستہ ہے سیدھا۔ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ (3:51، 19:36، 43:64) ترجمہ بے شک اللہ میرا اور تمہارا پروردگار ہے پس اسی کی عبادت کرو۔ یہ ہے راہ سیدھی۔ اسے ہی اعتصام باللہ کہتے ہیں (3:101)

اس صراطِ مستقیم پر چلنے کا نتیجہ کیا ہوگا۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ (4:175) ترجمہ: سو جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کو مضبوط پکڑا تو

ان کو داخل کرے گا اپنی رحمت اور فضل میں اور پہنچا دے گا اپنی طرف سیدھے راستہ پر۔ سورۃ الفتح میں ہے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ۝۱ ۔۔۔ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ۝۲ ترجمہ: ''ہم نے تیرے لئے ایک کھلی فتح (کی راہ) کھول دی ہے۔ تاکہ۔۔۔ اور اپنی نعمت کو تجھ پر تمام کرے اور تجھے سیدھے راستے پر چلائے۔'' سورۃ الفاتحہ میں بھی صراطِ مستقیم کو ان لوگوں کا راستہ بتایا گیا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام فرمایا (7-1:6)۔ یہ انعام یافتہ لوگ اللہ اور رسول ﷺ کے مطیع ہیں ان میں انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہدآء اور صالحین اور ان کے رفیق شامل ہیں (4:69)۔

مندرجہ بالا آیاتِ قرآنی سے ثابت ہے کہ صراطِ مستقیم پر چلنے سے اللہ اور رسول کا نظام اس دنیا میں قائم ہوتا ہے اور نکبت و زبوں حالی سے نکل کر انسانیت اللہ کی رحمت، اس کے فضل اور نعمتوں کی حامل ہو جاتی ہے۔ یہ ایک انقلابی پروگرام ہے۔ دینِ توحید صراطِ مستقیم ہے۔ اور مختلف فرقے وہ چھوٹے چھوٹے راستے ہیں جو انسان کو صراطِ مستقیم سے بہکا کر دوسری طرف لے جاتے ہیں اور تھوڑی دور جا کر بند ہو جاتے ہیں۔ اس لئے قرآنِ کریم نے فرقہ بندی کو شرک قرار دیا ہے (32-30:31) اس لئے کہ فرقوں میں آخری سند انسان ہوتے ہیں۔ دین میں سند اور حجت صرف خدا کی کتاب ہوتی ہے۔

(7) مَنْ يَّشَآءُ:

زیرِ نظر آیت میں يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ط کا بالعموم ترجمہ کیا جاتا ہے۔ ''وہ جسے چاہتا ہے۔'' اس میں يَشَآءُ کا فاعل اللہ تعالیٰ کو قرار دیا جاتا ہے اور سمجھنے میں انسانی ذمہ داری کو مدِ نظر نہیں رکھا جاتا۔

شَآءَ۔ يَشَآءُ۔ شَيْئاً۔ وَمَشِيْئَةً کے معنی ہیں ارادہ کرنا بلکہ مشیت ایجاد کو کہتے ہیں اور ارادہ کے معنی طلب کے ہیں۔ ابتدائے کائنات و اشیاء میں، جیسا اللہ تعالیٰ نے چاہا، ویسے ہی اصول و قوانین بنا دئے۔ ایسے قواعد کیوں بنائے، یہ بات اس سے پوچھی نہیں جا سکتی (21:23، 36:82) یہ اس کا اَمر تھا۔ لیکن جب اس نے خود اپنے ارادہ سے اَمر طے کر دیا تو پھر وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ۙ۝۳۸ (33:38) ترجمہ: ''اور ہے اَمر اللہ کا مقرر ٹھہر چکا۔'' اللہ تعالیٰ نے قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (65:3) ہر شے کے لئے ایک پیمانہ مقرر کر دیا۔ یہ تمام پیمانے (قوانین فطرت) اللہ ہی کے مقرر کئے ہوئے ہیں لیکن اُس نے خود یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ ان قوانین میں دخل اندازی نہیں کی جائیگی وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (33:62)۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اختیار دے رکھا ہے کہ وہ کسی بھی عمل (ایمان و کفر) کو اختیار کر سکتا ہے لیکن اس عمل کی جزا و سزا اس کے مستقل اصول و قواعد کے مطابق مرتب ہوگی (41:40، 18:29)۔ اب انسان کے لئے اختیارِ عمل کا جو بدلہ متعین ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے قوانین کی فعالیت کے مطابق ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً

مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾ (45:21)

ترجمہ: کیا وہ لوگ جو بدیاں کماتے ہیں، گمان کرتے ہیں کہ ہم انہیں اُن کی طرح کر دیں گے جو ایمان لاتے ہیں اور اچھے عمل کرتے ہیں (یعنی) ان کا جینا اور ان کا مرنا برابر ہے۔ بُرا ہے جو یہ لوگ فیصلہ کرتے ہیں۔''

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ (45:22)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے اور تاکہ ہر جان کو اس کے مطابق بدلہ دیا جائے جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

دوسرے مقام پر ارشادِ خداوندی ہے:

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿۳۱﴾ (53:31)

ترجمہ: ''اور اللہ کے لیے ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ وہ ان لوگوں کو جو بُرا کرتے ہیں، ان کے عمل کا بدلہ دے اور انہیں جو نیکی کرتے ہیں، اچھا بدلہ دے۔

ان حقائق کی روشنی میں جب يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ کا ترجمہ ہوگا تو یہ کیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اس کے عمل کی مناسبت سے ہدایت کرے گا۔ جسے مناسب سمجھے گا، ہدایت دے گا۔

عربی قواعد کی رو سے يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ کو ایک اور طرح بھی سمجھا جا سکتا ہے فعل يَهْدِيْ کا مفعول ہے مَنْ اور يَشَآءُ کا فاعل هُوَ کی ضمیر جو يَهْدِيْ میں مستتر ہے، بھی ہو سکتی ہے اور مَنْ بھی۔ اس طرح ترجمہ یوں ہوگا:

1۔ ہدایت کرتا ہے اُسے جسے مناسب سمجھتا ہے۔

2۔ ہدایت کرتا ہے اُسے جو ہدایت چاہتا ہے۔

مندرجہ بالا دو ترجموں میں سے مؤخر الذکر ترجمہ کی تصدیق درج ذیل آیات سے بھی ہوتی ہے:

1۔ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ (42:13)

ترجمہ: اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف جو (اس کی طرف) رجوع کرتا ہے۔

2۔ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ (13:27)

ترجمہ: اور ہدایت (رسائی) دیتا ہے اپنی طرف جو (اس کی طرف) رجوع کرتا ہے۔

آیت زیرِ نظر (2:142) کا ترجمہ کرتے وقت اس فرق کو بھی مدنظر رکھیں۔

(8) مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ (2:149۔150)

مِنۡ حَیۡثُ کی عمومیت اور اس کے بعد آنے والے حکم فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَحَیۡثُ مَا كُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ شَطۡرَهٗ ؕ کے مطابق اس کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ ''اے رسولؐ! آپ جہاں سے بھی نکلیں اپنا چہرہ مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیا کریں اور (اے جماعتِ مؤمنین!) تم جہاں کہیں بھی ہو پس پھیر لو اپنے مونہہ اس کی طرف۔'' اب سمجھنا یہ ہوگا کہ کیا اس آیتِ مبارکہ میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ گھر سے نکلیں، کمرہ سے نکلیں، صحن سے نکلیں، مسجد سے نکلیں، جہاں کہیں سے بھی نکلیں آپ کا مونہہ مسجدِ حرام کی طرف پھرنا چاہئے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں ہے بلکہ یہاں جنگ اور جہاد کے لئے نکلنا مراد ہے۔ جیسے درج ذیل آیات میں یہی معنیٰ لیا گیا ہے۔

1۔ وَاِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَهۡلِكَ تُبَوِّئُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ مَقَاعِدَ لِلۡقِتَالِ ؕ (3:121)

ترجمہ: اور جب تو صبح سویرے اپنے گھر والوں کے پاس سے نکلا، مومنوں کو لڑائی کے لئے مختلف ٹھکانوں پر مقرر کرتا تھا۔''

2۔ كَمَاۤ اَخۡرَجَكَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَیۡتِكَ بِالۡحَقِّ ۖ وَاِنَّ فَرِیۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ لَكٰرِهُوۡنَ ۙ (8:5)

ترجمہ: ''جس طرح تیرے رب نے تجھے تیرے گھر سے حق کے ساتھ (جنگ کے لئے) نکالا، حالانکہ یقیناً مؤمنوں کی ایک جماعت تو ناپسند کرنے والی تھی۔''

3۔ فَقُلۡ لَّنۡ تَخۡرُجُوۡا مَعِیَ اَبَدًا وَّلَنۡ تُقَاتِلُوۡا مَعِیَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمۡ رَضِیۡتُمۡ بِالۡقُعُوۡدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقۡعُدُوۡا مَعَ الۡخٰلِفِیۡنَ (9:83)

ترجمہ: ''تو کہہ دیجئے تم میرے ساتھ کبھی (جنگ کے لئے) نہیں نکلو گے اور میرے ساتھ مل کر کبھی کسی دشمن سے نہیں لڑو گے۔ بے شک تم پہلی مرتبہ بیٹھے رہنے پر خوش ہوئے۔ سو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔''

چنانچہ مِنۡ حَیۡثُ خَرَجۡتَ (2:149-150) میں جہاں کہیں سے آپ نکلیں، سے مراد ہے، غزوہ، جنگ جہاد کے لئے نکلنا۔ اس سے عام طور پر نکلنا مراد نہیں ہے۔ اس بارے میں قرآنِ کریم کی دیگر آیات مثلاً (9:42)، (9:46)، (9:47) اور (60:1) میں بھی یہی معنیٰ لیا گیا ہے۔

اب آیئے زیرِ نظر آیت کریمہ (2:142) کی طرف۔ اس کا موضوع تحویل قبلہ ہرگز نہیں بلکہ نبی کریمؐ و دیگر مہاجرین کی ان کے اصل مرکز (قبلہ) سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت ہے جس پر مخالفین کے اعتراض کا تذکرہ ہے۔

حافظ عنایت اللہ اثری وزیر آبادی ثم گجراتی (ایک جید اہلِ حدیث عالم) نے عربی زبان میں تفسیرِ قرآن لکھی ہے جس کا کچھ حصہ چھپ گیا تھا۔ اس کا نام ہے ''ایاتٌ لِّلسَّائِلِیۡن''۔ اس میں زیرِ درس آیت کا ترجمہ و تفسیر اس طرح درج ہے:

سَیَقُوۡلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمۡ عَنۡ قِبۡلَتِهِمُ الَّتِیۡ كَانُوۡا عَلَیۡهَا ؕ سیقول المشرکون من اھل الحرم مکۃ ما اخرج المسلمین منہ الی المدینۃ ویقول اھلھا من الیھود والنصاریٰ ماجآء بھم قُلۡ لِّلّٰهِ

الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ط فاينما تّولوا فثم وجه الله يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ خالٍ عن افراطٍ و تفريطٍ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا فكنتم خير امةٍ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله ولوامن اهل الكتاب لكان خيراً لهم وانما جعلنا كم مقسطين لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ حكاماًعَلَى النَّاسِ و اذاحكمتم بين الناس ان تحكموابالعدل ان الله نعما يعظكم به(ز) وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًاحكما عدلًا، واسوةً حسنةً۔ وقدقال: ملة ابيكم ابراهيم هو سماكم المسلمين من قبل وفی هذاليكون الرسول شهيداً عليكم وتكونواشهدآء على الناس واعتصموابالله هو مولا كم: فلاوربك لايؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم۔ لقد كان لكم فی رسول الله اسوة حسنة: وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ''ائتموابی واليأ تم بكم من بعد كم، الحديث رواه مسلم واصحاب السنن وذكره البخاری واسند هووغيره ''انما صنعت هٰذا التأ تموابی ولتعلموا صلوتی''(ز) وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ القرية الَّتِیْ كُنْتَ حريصاً عَلَيْهَآ خاليةً منك اِلَّا لِنَعْلَمَ لنميز مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ ويخرج معه مهاجرًا مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَيْهِ ط ومن ينقلب علٰے عقبيه فلن يضر الله شيئًا وقد قال من الناس من يعبدالله علٰی حرفٍ فان اصابه خير اطمأن به وان اصابته فتنة انقلب علٰی وجهه خسر الدنيا والاٰخرة ذالك هو الخسرٰن المبين وَاِنْ كَانَتْ التخلية لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى هم اللّٰهُ ط وامتحن قلوبهم للتقوٰی ولولم تخرجوا يعيدو كم فی ملتهم وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ اوير جموا كم ولن تفلحوا اذاًاَبَداً اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ قَدْنَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ج ونسمع قولك رب ادخلنی مدخل صدقٍ واخرجنی مخرج صدقٍ واجعل لی من لدنك سلطاناً نصيراً فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ص ولنسلطنك عليهالا تخاف دركاًولا تخشی فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ غازيًاعسٰی ان يبعثك ربك مقامًا محمودًا وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ من المدينة فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ غازين اياه وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ان الذين اوتواالكتاب ليعلمون ان المسجدالحرام حق لك ولمن معك دون المشركين وما كانواالوليآءه ان اوليآءه الاالمتقون(2:142-144)

حافظ عنایت اللہ اثریؒ (مرحوم) کی تفسیر عربی زبان میں ہے۔ اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ عربی نہ جاننے والے ان کے طرزِ استدلال کو سمجھیں:

اہل الحرم مکہ میں سے مشرک لوگ کہیں گے کہ کس چیز نے نکال دیا مسلمانوں کو مکہ سے مدینہ کی طرف۔ اور مدینہ کے لوگ یہود و نصاریٰ کہیں گے کہ کیا چیز انہیں یہاں لے آئی قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ط (کہہ دے مشرق و مغرب اللہ ہی

کے ہیں) سو جس طرف تم مونہہ کرو، وہاں ہی متوجہ ہے اللہ۔ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (وہ جسے مناسب سمجھتا ہے، سیدھے راستے پر ڈال دیتا ہے) افراط وتفریط کے بغیر وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا تو ہو گئے تم بہترین امت جسے لوگوں (کے فائدہ) کے لئے بنایا گیا ہے، تم حکم دیتے ہو بھلائی کا اور روکتے ہو بُرائی سے اور تم ایمان لاتے ہو اللہ پر اور اگر ایمان لائیں اہلِ کتاب تو یہ ضرور ان کے لئے بہتر ہو اور بے شک ہم نے تمہیں انصاف کرنے والے بنایا۔ لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ تا کہ ہو جاؤ تم نگران، حکومت کرنے والے عَلَى النَّاسِ لوگوں پر اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے لگو تو فیصلے کرو تم عدل کے ساتھ۔ بیشک اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے تم کو۔ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (اور ہو رسول تم پر نگران) عدل کے مطابق فیصلہ کرنے والا اور اسوۂ حسنہ۔ اور فرمایا ہے (اللہ نے) تمہارے باپ ابراہیمؑ کا دین ہے، اسی نے نام رکھا تمہارا مسلمان پہلے سے اور اس قرآن میں، تا کہ رسولؐ تم پر نگران ہو اور تم لوگوں پر نگران ہو اور اللہ کے ساتھ تعلق مضبوط کرو، وہی تمہارا مالک ہے۔ سو تمہارے رب کی قسم، لوگ ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپؐ کو اپنے اختلافات میں فیصلہ کرنے والا تسلیم نہ کریں۔ بے شک لئے رسول اللہ (کی زندگی میں) بہترین نمونہ ہے۔ اور فرمایا رسول اللہؐ نے ''میرے ساتھ وابستگی رکھو اور تمہارے بعد والے ساتھ وابستہ رہیں'' (یہ حدیث ہے جسے مسلم اور دوسرے اصحابِ سنن نے روایت کیا ہے اور بخاری نے اس کا ذکر کیا ہے اور اس نے اس کے علاوہ دوسروں نے بھی اسے درست کہا ہے) یہ اس لئے ٹھہرایا گیا ہے تا کہ تم میری پیروی کرو اور میری صلوٰۃ کو جانو۔ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ (اور نہیں کیا ہم نے قبلہ) اس قریہ کو الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ (جس کے متعلق آپ ہیں) شدید خواہشمند کہ آپؐ کے پاس رہے اِلَّا لِنَعْلَمَ (تا کہ ہم معلوم کریں) تا کہ ہم الگ کر دیں مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ (کون اتباع کرتا ہے رسول کی) اور نکلتا ہے اس کے ہمراہ مہاجر ہو کر۔ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ (اس شخص سے جو لوٹ جاتا ہے اُلٹے پاؤں) اور جو کوئی پھر جائے گا اُلٹے پاؤں تو وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑتا۔ اور فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ''لوگوں میں سے کچھ اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہیں ایک کنارے پر تو اگر پہنچی ہے اس کو بھلائی تو مطمئن ہو گیا اس پر اور اگر پہنچی ہے اس کو آزمائش تو لوٹ گیا مونہہ پلٹ کر۔ گنوائی اس نے دنیا اور آخرت۔ اور یہ واضح خسارہ ہے۔ وَاِنْ كَانَتْ (اور اگر ہوئی) الگ طرح سے لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى (تو یہ بڑی بات ہے مگر ان پر نہیں ہدایت کی) جن کو اللہ (اللہ نے) اور ان کے دلوں کو تقویٰ کے لئے جانچ لیا۔ اور اگر وہ نہ نکلیں تو وہ تمہیں اپنے دین میں واپس کھینچیں گے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ (اور اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا) تمہیں بُرا بھلا کہیں گے تو تب وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (بے شک اللہ لوگوں کے ساتھ بہت شفیق اور نہایت مہربان ہے) قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ (بیشک ہم آپؐ کے چہرے کو آسمان کی طرف بار بار اُٹھتا دیکھتے ہیں) اور آپؐ کے قول کو سنتے ہیں کہ اے میرے پروردگار مجھے داخل کر سچا داخل کرنا اور مجھے نکال سچا نکالنا اور عطا کر مجھے اپنے ہاں سے حکومت مدد۔ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ (پس ہم ضرور تجھے اس قبلہ کا والی بنائیں گے جو آپ کی رضا ہے) بالضرور تجھے

اس پر غلبہ عطا کریں گے۔ نہ تجھے کسی کی پکڑ ہوگی اور نہ خوف۔ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط (پس اپنی توجہ کو مسجد حرام کی طرف موڑے رہو) غازی کی حیثیت سے۔ جلد ہی اللہ آپؐ کو مقامِ محمود پر سرفراز فرمائے گا۔ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ (اور جہاں کہیں بھی تم ہو) المدینہ سے فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ط (تو اپنی توجہ اسی طرف موڑے رہو) جنگ کرتے ہوئے صرف اسی کے لئے وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ (اور بیشک وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی ہے، جانتے ہیں کہ یہ بات سچ ہے اُن کے پروردگار کی طرف سے اللہ غافل نہیں ہے اس سے جو وہ کرتے ہیں)۔ بیشک وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی ہے جانتے ہیں کہ مسجدِ حرام آپؐ ہی کا اور ان کا جو آپؐ کے ساتھ ہیں، حق ہے، مشرکین کے سوا جو اس کے والی نہیں ہو سکتے۔ اس کے والی تو متقیوں کے سوا کوئی نہیں۔

نوٹ:

حافظ عنایت اللہ اثری صاحب کی عربی تفسیر اور اس کا اردو ترجمہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اس ترجمہ میں بریکٹوں کے اندر () متعلقہ آیت کا اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ یہ اصل عربی متن کا حصہ نہ ہے کیونکہ عربی تفسیر میں اس کی ضرورت نہ تھی۔ اسے پڑھنے میں کچھ گران محسوس ہو سکتی ہے۔ اس امر کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ یہ تفسیر آیت 2:142 کو ہجرت سے متعلق بتاتی ہے اور لائق تائید ہے۔

اب آئیں آیات 144-2:142 کا ترجمہ و مفہوم: درس میں پیش کردہ پس منظر، فریضۂ نبویؐ، تاریخی حقائق، اور الفاظ و تراکیب کی بیان کردہ وضاحت کی روشنی میں ایک نظر دیکھتے ہیں۔

''سب انسانوں میں سے کچھ کم فہم لوگ (جو ملتِ ابراہیمی سے روگردانی کر چکے ہیں (2:130) خواہ یہود و نصاریٰ ہوں (2:145)، منافقینِ مدینہ (2:13) یا مشرکین مکہ (6:140) جو نہیں جانتے کہ بیت الحرام کی مرکزیت دائمی ہے، آپ کی مکہ سے مدینہ ہجرت پر) کہیں گے کہ مسلمانوں کو ان کے اولین مرکز سے جہاں یہ تھے کس چیز نے نکال دیا۔ آپ کہہ دیں کہ جہاں جہاں سورج چڑھتا اور غروب ہوتا ہے (ساری روئے زمین) اللہ تعالیٰ کی ہے۔ کہیں بھی اس کی وحی کے مطابق اس کے دین کا قیام ہو سکتا ہے (2:115)۔ اللہ تعالیٰ اپنے اصول و اقدار کے مطابق جنہیں مناسب سمجھتا ہے اور جو لوگ انہیں اپناتے اور اعمال صالحہ کرتے ہیں، ایک استوار اور متوازن راستہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے (2:51، 19:36، 43:64) اور انہیں استخلاف فی الارض سے نوازتا ہے۔ عطائے حکومت کے راستے کھولتا اور انہیں ان پر چلاتا ہے تا کہ نوعِ انسانی مشکلات سے نکل کر نعمتوں سے ہمکنار ہو۔ (24:155، 4:31، 8:29) اور اس طرح ہم نے تم مسلمانوں کو ایک ایسی بین الاقوامی امت بنا دیا ہے کہ تم نوعِ انسانی کے مفاد میں حکومت کا قیام کرو (بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو) اور انصاف کے تقاضوں کو بغیر جانبداری کے پورا کرو اور دیکھو کہ کوئی قوم کسی دوسری قوم پر ظلم نہ کرنے پائے (5:8) اور تم لوگوں کے اعمال کے نگران بنو اور عدل کے مطابق حکومت کرو (4:58) اور ہمارا رسول تم پر نگران ہو، عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرے (4:65، 42: 15)

اور نہیں ٹھہرایا ہم نے مکہ مکرمہ کو قبلہ جس پر آپ شروع سے ہیں اور اسے اپنے پاس رکھنے کے شدید خواہشمند ہیں، مگر یہ کہ ظاہر کر دیں ہم کہ کون ہے جو رسول کی اتباع کرتا ہے (اور نکلتا ہے اس کے ہمراہ مہاجر ہو کر 4:89، 8:72) اور کون ہے جو پلٹ جاتا ہے اُلٹے پاؤں۔ جو کوئی پھر جائے الٹے پاؤں تو وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑتا (3:144، 22:11)۔ اگرچہ یہ بات بڑی ناگوار ہے مگر ان پر نہیں کہ ہدایت کی اللہ نے جن کو۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے (ماانزل کے مطابق حکومت پر) ایمان کو ضائع نہیں کرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ بہت شفیق اور نہایت مہربان ہے۔ بے شک ہم تمہارے چہرے کو آسمان کی طرف (شدت آرزو میں) اٹھتا دیکھتے ہیں۔ پس ہم تجھے ضرور اس قبلہ کا والی بنائیں گے جو آپ کی رضا ہے۔ سو اپنی توجہ کو مسجد حرام کی طرف موڑے رہو (غازی کی حیثیت سے) اور جہاں کہیں بھی تم ہو (المدینہ سے) تو اپنی توجہ اسی کی طرف موڑے رہو (جنگ کرتے ہوئے)۔ بیشک وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی ہے، جانتے ہیں کہ یہ بات (کہ مسجدِ حرام آپ ﷺ کا اور اُن کا جو آپ کے ساتھ ہیں) حق ہے ان کے پروردگار کی طرف سے، اور اللہ غافل نہیں ہے اس سے جو وہ کرتے ہیں۔''

میرے نزدیک یہ ہے مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ کی صحیح تعبیر۔

استدراک:

طلوعِ اسلام کے نزدیک قبلۂ اوّل وہی ہے جو کہ مکہ معظّمہ میں کعبہ شریف ہے۔ البتہ درسِ مذکورہ کے دوسرے موضوع کے بارے میں طلوعِ اسلام کا جو نقطۂ نظر ہے وہ صاحبِ درس نے خود ہی (صفحہ نمبر 12-13 پر) واضح کر دیا ہے کہ یہودی یہ اعتراض کرتے تھے کہ جب سابقہ اہلِ کتاب کا قبلہ (مرکز) بیت المقدس چلا آرہا تھا تو مسلمانوں نے اس سے روگردانی کر کے کعبہ کو اپنا قبلہ (مرکز) کیوں بنایا؟ صاحبِ درس نے اس امر کا جائزہ بھی لیا ہے کہ تاریخی طور پر بیت المقدس (مسجدِ اقصیٰ) نبی کریم ﷺ کے وقت میں موجود ہی نہ تھی اور نہ سابقہ اہلِ کتاب کا یہ مرکز تھا۔ اس کے علاوہ قرآنِ کریم میں بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم کہیں موجود نہیں۔ لہٰذا نبیٔ کریم ﷺ کا روایات کی رُو سے 16-17 ماہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا درست معلوم نہیں ہوتا۔ ہم یہ درس اس لئے شائع کر رہے ہیں کہ قارئین، قرآنی حدود میں رہتے ہوئے موضوع کے دیگر پہلوؤں سے بھی روشناس ہو جائیں۔ (ادارہ)

ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ملائکہ کا اللہ کے تدبیرِ امور سرانجام دینے کی قوت کا تصور

ملائکہ کے بارے میں بعض کے خیال میں اس کا مادہ ''ا۔ل۔ک'' ہے، اور بعض دوسروں کے خیال میں اس کا مادہ ''م۔ل۔ک'' ہے۔ مادہ ''ا۔ل۔ک'' الک کی رو سے معانی پیغام رسانی کے ہیں جو ہمارے موضوع سے متعلق نہیں دوسری طرف ہمارے موضوع سے متعلق ملک کی رو سے معنی قوت کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سلسلہ کائنات کو، جسے اپنی ہی پیدا کردہ قوتوں کے ذریعے چلا رہا ہے انہیں بھی اللہ کی قوتوں کے اِظہار میں ملائکہ کا نام دیتا ہے۔ ملائکہ بنیادی طور پر وہ ملکوتی قوتیں ہیں، جو خدا کے قانون مکافات کے مطابق ہر عمل کا نتیجہ مرتب اور نافذ کرتی رہتی ہیں۔ قرآن میں اِس کی وضاحت ہے کہ

هَلۡ يُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۷﴾ (7:147)

''اعمال خود اپنی جزاء آپ ہوتے ہیں۔''

اِس سے تخلیقِ کائنات کا مُقصد بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ کسی انسان کا اچھا یا برا عمل نتیجہ کے بغیر ظُلم میں نہ رہے۔ کائنات ظلم نہیں ہونے دیتی۔ چیزوں کو اپنے صحیح مقام پہ رکھتی ہے۔ ہر عمل کا نتیجہ اس عمل کی جگہ آ جاتا ہے۔ اور یہ ملائکہ کی قوت سے مرتب کیا جاتا ہے۔ اِنسانی ذات خود اپنے اعمال کے نتیجہ میں اپنے اُوپر عائد کرتی ہے۔ قرآن میں ہے کہ:

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ وَلِتُجۡزٰى كُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۲﴾ (45:22)

اور اللہ نے کائنات کی زمین و آسمان کو الحق کے مقصد کے ساتھ تخلیق کی، تاکہ ہر متنفس کو اپنے کئے کی جزا دی جائے اور کسی پر (بِلا اجر رہ جانے کا) کا ظُلم نہ رہ سکے کائنات کی بلندیوں، اور پستیوں کو بالحق اس لئے پیدا گیا تاکہ ہر شخص کے اعمال کا ٹھیک ٹھیک نتیجہ برآمد ہو جائے، اور کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہ ہو۔ اِسے قرآن کی اصطلاح اللہ کے قانونِ مکافاتِ عمل سے واضح کیا گیا ہے، اِس آیت میں جزاء کے معنی ہیں کسی چیز کا بدلہ۔ ابن فارس کے مطابق، اس کے بنیادی معنی ایک چیز کا دوسری چیز کے قائم مقام ہونا ہیں، اس لئے کہ جس چیز کو ہم عام طور پر ''عمل کا بدلہ'' کہتے ہیں، درحقیقت وہ بدلہ اس عمل کے نتیجہ کا قائم مقام ہوتا ہے جو اللہ کا قانونِ مکافاتِ عمل متعین کرتا ہے۔ آپ آگ میں ہاتھ ڈالتے ہیں، یہ آپ کا عمل ہے۔ آپ کا ہاتھ جل جاتا ہے، اور اس میں سخت جلن، تکلیف ہوتی ہے، تو یہ آگ میں ہاتھ ڈالنے کا اللہ کے قانونِ مکافاتِ عمل کی طرف سے متعین کردہ فطری نتیجہ ہوتا ہے۔ عمل تو فوراً ختم ہو جاتا ہے، لیکن اس کی جزاء میں نتیجہ نے اس کی جگہ لے لی۔ ہمارے لئے ملائکہ کے تصور کی اُن کی درجِ ذیل تین گوشوں میں کارفرمائی کا مطالعہ کرتے وقت سمجھنے میں آسانی رہتی ہے۔

(1)عالمِ امر (2)عالمِ خلق (3)عالمِ انفس

1۔عالم امر میں کارفرما ملائکہ:

یہ وہ ملائکہ ہیں جو عالم امر میں خدا کی تدبیری امور سرانجام دیتے ہیں۔ہم نہیں جان سکتے کہ وہ کس طرح امور سرانجام دیتے ہیں۔ان کے لئے قرآن درجِ ذیل امور کے سرانجام دینے کی قوتوں کا زکر کرتا ہے۔

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝(79:5)

تدبیرا امور کرنے والی قوتیں:

یہ تدبیر امور کس طرح نافذ العمل ہوتی ہے یہ چیز ہماری سمجھ سے بالا ہے لیکن قرآن نے بتایا ہے کہ قوانین مشیت کے تابع ان امور الٰہیہ کو جاری وساری کرنے کے فرائض جن کے ذمہ ہیں انہیں ملائکہ کہا جاتا ہے،

ان کی دوسری صِفت بیان کی گئی ہے کہ:

فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۝(51:4)

تقسیم امور کرنے والی قوتیں یا جماعتیں:

کیونکہ ملائکہ تقسیم امور کرنے والے ہیں لہٰذا ملائکہ وہ وسائط وذرائع ہیں جن کی رو سے امور الٰہیہ کائنات میں نافذ ہوتے ہیں۔اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے امور کی تنفیذ میں وسائط وذرائع کا محتاج ہے۔اس کی ذات صمدیت احتیاج کے ہر تصور سے منزہ اور اسباب وذرائع کے ہر شائبہ سے مستغنی ہے لیکن یہ اس کا قائم کردہ نظام ہے کہ دنیائے خلق ہو یا عالم امر حوادث واثرات اس کے متعین فرمودہ نظام کے مطابق وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

قرآن میں ملائکہ کے متعلق وضاحت ہے کہ:

وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ(16:50)

''جو کچھ ان سے کہا جاتا ہے وہ وہی کچھ کرتے ہیں۔''

2۔عالم خلق میں کارفرما ملائکہ:

یہ ملائکہ عالم خلق میں فطرت کے اصولوں کی قوتوں کا فریضہ سرانجام دیتی ہیں۔ان کے لئے قرآن میں ہے کہ اِن قوتوں کے اصولوں کے عِلم کی فہم کی استعداد سے انسان کو اِن کو تسخیر کرنے کی ودیعت حاصل ہو جاتی ہے،جس کو استعمال میں لا کر منفعتِ انسانیہ کی بہبود ہوتی ہے۔قرآن میں وضاحت کی گئی ہے کہ

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا(2:31)

''اشیاء بشمولِ اللہ کی قوتوں ملائکہ کا پورے کا پورا علم حاصل کرنے کی استعداد انسان کو دے دی گئی ہے۔''

اِس عِلم سے کام لے کر اِنسان اِن قوتوں کو مسخر کرنے کی پوری استعداد اور صلاحیت رکھنے کے قابل ہو جاتا ہے اور اِسی ضِمن میں قرآن میں وضاحت کی گئی ہے کہ

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا (2:34) اور ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کے سامنے جھک جاؤ اور وہ جھک گئے۔

ملائکہ کے آدم کو سجدہ کرنے سے یہی مراد ہے کہ ان کو جھکانے کا علم حاصل کرنے کی استعداد انسان کو دے دی گئی۔ اسی کو تسخیر فطرت کرنا کہتے ہیں۔ ان ہی قوتوں کو آفاقی قوتیں بھی کہا جاتا ہے۔

قانونِ مکافاتِ عمل سے بھی ملائکہ کے ذریعہ عملدرآمد کرا کے ہی اللہ اپنی تخلیق کا مقصد پورا کرتا ہے کہ جس میں ہر ذی نفس کو اُس کے اعمال کے مطابق جزا ملتی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ موت کا فرشتہ کے متعلق ہے کہ:

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿11﴾ (32:11)

کہہ دو کہ موت کا فرشتہ تم کو (تمہاری ذات کو) پورا پورا اپنے قبضے میں لے لے گا، پھر تمہاری ذات کو قانون مکافات کی رو سے مرتّب کردہ اعمال کے نتائج کی طرف لوٹایا جائے گا۔

یہاں البتہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ اعمال کی جزاء جسم کو نہیں، انسانی ذات کو ملے گی۔ جیسا کہ بتایا گیا ہے مَلَک (فرشتے)، کائناتی قوّتوں کو کہتے ہیں۔ یہ کائناتی قوّتیں کہیں باہر سے نہیں آتیں، بلکہ یہ تو ساری زندگی ہمارے طبیعی جسم پر سوار رہتی ہیں۔ ہم جس درجے کی صحت خراب کرنے والی بد پرہیزی کرتے ہیں، اسی درجے تک یہ قوّتیں ہمیں موت کے قریب کر دیتی ہیں۔ اسی طرح صحت کو برقرار رکھنے والی قوّتیں بھی ہمارے طبیعی جسم پر سوار رہتی ہیں۔ بیمار ہونے کی صورت میں، جب بھی ہم صحت دینے والے قوانین کی طرف رجوع کرتے ہیں تو صحت کے فرشتے ہمیں صحت مند کر دیتے ہیں۔

3۔ عالم النفس یعنی نفس انسانی میں کارفرما ملائکہ:

یہ ملائکہ یعنی قوتیں، انسانی نفس (نفسیات) کے اندر کارفرما ہوتی ہیں۔ یہ انسانی اعمال کے ''رجسٹرار'' ہیں یعنی یہ قانون مکافات کو بروئے کار لانے کا موجب بنتی ہیں۔ قرآن نے عالم النفس کے ملائکہ کا ایک فریضہ یہ بتایا کہ

اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ (10:21)

ہمارے فرستادے ان کو نوٹ کر رہے ہیں، جن کی تُم تدبیریں کرتے ہو:

ان مقامات پر غور کرنے سے یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ عالم النفس کے ملائکہ وہ ملکوتی قوتیں ہیں، جو خدا کے قانون مکافات عمل کے اِطلاق سے ہر عمل کے نتیجہ میں ہر ذی نفس کو جزاء دیتے ہوئے اِنسانی ذات کی تخلیق کے مقصد پورا کرنے میں مدد و معاون ہوتی ہیں۔ اِس ضِمن میں ملائکہ قلب مومن میں وہ تسکین و طمانیت پیدا کرتے ہیں جس سے خوف و حزن پاس نہیں پھٹکنے پاتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿30﴾ (41:30)

''بلاشبہ جو لوگ اقرار کر لیں کہ ہمارا (حقیقی) پروردگار (صرف) اللہ (ہی) ہے پھر اس پر ثابت قدم رہیں تو (خدا کے) ملائکہ ان پر نازل ہوتے ہیں (جو کہتے ہیں) کہ تم نہ اندیشہ کرو نہ غم کرو اور اس جنت (کے ملنے) سے خوش ہو جاؤ جس کا تم سے

پیغمبروں کی معرفت) وعدہ کیا جایا کرتا تھا۔''

دوسری جگہ ہے کہ:

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ (9:26)

بالآخر (جنگ حنین میں) اللہ نے مومنین اور اپنے رسول کے دل میں سکون پیدا کر دیا۔ (دلوں میں ثبات پیدا کرنے کی خاطر تمہارے قلوب کی دنیا میں) وہ لشکر اتارا جنہیں تم آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ (سکونِ قلب کی بنا پر جنگ کا نقشہ بدل گیا) اور فریق مخالف کو سخت سزا ملی۔ زندگی کی غلط روش پر چلنے والے کافروں کا یہی حشر ہوا کرتا ہے۔

اِس آیت میں خوشخبری سنانے کے علاوہ کافروں کو عذاب کے متعلق بتانے کا فریضہ بھی سونپا گیا ہے۔ قرآن میں مکافاتِ عمل کے قانون میں ملائکہ کا کردار بیان کیا گیا ہے کہ

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ (3:87)

(نظام اسلام سے سرکشی) کی سزا، ان لوگوں کی یہ ہے کہ وہ نظام خداوندی کے خوشگوار ثمرات، کائناتی قوتوں ملائکہ کی تائید نصرت، اور انسانوں کی دلجوئی اور تعاون سے محروم رہ جائیں گے۔

ملائکہ کے معنی یہاں فطرت کی قوتیں ہیں۔ جو قوم تسخیر کائنات نہیں کرتی یعنی ملائکہ کی تسخیر نہیں کرتی، تو فطرت کی قوتوں نے جو خوشگواریاں ان کو دینی تھیں، وہ فطرت کی ان خوشگواریوں سے دور ہو جاتی ہے۔

اللہ کے بطور خالقِ کائنات اور کائنات کا نظم و نسق سنبھالنے والی اُس کی ملکوتی قوتوں کا جائزہ لینے کے بعد، اب ہم اللہ کی عدم سے وجود کی تخلیقِ کائنات کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔

زمانہِ قدیم میں عدم سے وجودِ تخلیقِ کائنات کا تصور:

چودہ سو سال پہلے ہی نہیں، جب قرآن کی ہمیں راہنمائی ملی، بلکہ اُس سے بھی بہت پہلے تورات اور دیگر مذاہب کی کسی بھی کتاب میں نظریہِ ارتقاء کا ذکر نہیں ملتا۔ کائنات کو کسی خیالی یا تصوراتی دیوی دیوتوں سے منسوب کارناموں کے طریقے پر سمجھا اور سمجھایا جاتا تھا۔

زمانہ گزرنے کے ساتھ ہم دیکھتے ہیں کہ قدیم یونانی دور ہی میں لوگ اِن معاملات پر عقل و شعور سے سمجھنے اور سمجھانے کی ابتدائی کوشش میں مصروف ہو گئے۔ اِس کوشش کے آغاز ہی میں ہمیں کچھ سوالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ انسان کہاں سے آیا، کیوں آیا اور کہاں جائے گا۔ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب مذہب تو کسی نہ کسی شکل میں دے دیتا ہے مگر سائنس ان جوابات کو تسلیم نہیں کرتی۔ فلسفہ میں سائنس کا یہ فریضہ قرار دیا جاتا ہے کہ کائنات کے نظم و ترتیب اور اس کی معقولیت کو فطری، قوانین کے ذریعہ ظاہر کیا جائے۔ ہمارے زمانہ کی سائنسی دریافت اصولوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قرآن کی تعلیم سے بھی مطابقت میں تخلیق کے عمل کو نظریہِ ارتقاء کی روشنی میں دیکھا جا رہا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم انسانی ذات کے حامل

ہیں، لیکن ذات کی فہم کے عمل میں ہم نے اِرتقائی مرحلہ وار کٹھن منازل طے کی ہیں۔ اِن منازل کے بتدریج مراحل میں تخلیق کا کوئی آغاز میں کوئی مادی سبب بتایا جاتا ہے، جس نے مختلف مدارج میں کئی روپ بدلتے ہوئے کائنات اپنی موجود شکل تک پہنچایا ہے۔

زمانہ گزرنے کے ساتھ ہم دیکھتے ہیں کہ قدیم یونانی دور ہی میں لوگ اِن معاملات پر عقل وشعور سے سمجھنے اور سمجھانے کی ابتدائی کوشش میں مصروف ہو گئے۔ لہٰذا مناسب ہوگا کہ تخلیقِ کائنات کی عدم سے وجود کی زمانہِ قدیم میں حُکماء اور خصوصاً قدیم حُکمائے یونان کی تحقیق کی طرف سے دریافت میں کی گئی کاوشوں کی تحقیق کو سامنے لایا جائے۔ ویسے حقیقت تو یہی ہے دنیا کا بڑے سے بڑا سائنسدان بھی عقل کے استعمال سے جواب نہیں دے سکتا کہ کائنات اور ہم عدم سے کیسے وجود میں آئے؟ اس کا تو ضرور کوئی خالق ہوگا، جس نے کائنات کو پیدا کیا ہے۔ اس دلیل سے خدا کو ماننے والے سمجھتے ہیں کہ ہم خالق تک پہنچ گئے ہیں۔ اس کے بعد دوسری طرف سے اعتراض آتا ہے کہ جب تم خود مانتے ہو کہ بغیر خالق کے کوئی شے وجود میں نہیں آسکتی تو پھر جسے تم خالق کہتے ہو، جسے تم خدا کہتے ہو، وہ پھر بغیر خالق کے کیسے وجود میں آ گیا؟۔ اِس سبب کو ڈھونڈنے کی تلاش میں تدریجی مراحل طے کرتے ہوئے وہ اللہ کے دئے ہوئے نظریہ ارتقاء ہی سے اِس کا حل ڈھونڈنے میں مجبور ہو جاتے ہیں

قدیم یونانی حُکماء نے اپنے زمانہ پر محدود عقل کا استعمال کرتے ہوئے اُس وقت کے عِلم کی روشنی میں دیوی، دیوتاؤں کے تصورِ خالقِ کائنات سے لوگوں کو چھٹکارہ دلوایا۔ عقلی توجیہات سے بطور خالقِ کائنات اللہ کا تصور پیش کرنے کا سہرا تھالیس کو جاتا ہے۔ وہ آج سے 26 سو سال کے لگ بھگ ہمارے دور سے پیشتر 624 قبل مسیح پیدا ہوا اور 556 قبل مسیح فوت ہوا۔

عصرِ جدید میں بھی حکمائے مغرب تخلیقِ کائنات کی گتھیوں کو سُلجھانے میں لگے رہے، لیکن سمپسن کا نظریہِ ارتقاء کا آغاز اِس سوال سے اُٹھتا ہے کہ انسان کہاں سے آیا، کیوں آیا اور کہاں جائے گا؟ زندگی کی ابتداء کیسے ہوگئی؟ اُس کے نزدیک نہایت دیانتداری سے اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں اس کا کچھ علم نہیں۔

قدیم یونانی مفکرین کی جانب سے انسانی تاریخ میں یہ پہلا ثبوت اور کوشش تھی کہ کائنات کو کسی خیالی یا تصوراتی طریقے پر بیان کرنے کی بجائے کائنات کی حقیقت کو فطری اور سائنسی طریقے پر انسانی مشاہدہ سے ثابت کیا جائے۔

قدیم یونانی فلاسفروں کا نظریہ ارتقاء:

فلسفہ کے علم کی ابتدا کا سہرا تھالیس (Thales) کے سر پر باندھا جاتا ہے۔ اُس نے آج سے 26 سو سال کے لگ بھگ اصولی طور پر یہ نظریہ دیا کہ تمام مادی اشیاء کا بنیادی مادہ پانی ہے اور یہ کہ ہر چیز پانی سے نکلی ہے اور آخر کار دوبارہ پانی میں مِل جائے گی۔ اُس کے بعد اناکسی مینڈر (Anaximander) کا تصور سامنے آتا ہے جو تھیلس کے اس اصول سے مُتفق تھا کہ مادی اشیاء کا بنیادی یا حتمی اصول مادہ ہی ہے، لیکن اس نے مادہ کو پانی کا نام نہیں دیا۔ اُس کے خیال میں اشیاء کا

اصول جامد مادہ تھا وہ بے صورت، غیر متعین اور لامحدود تھا، جو مُختلف مراحل سے گُزر کے مُختلف اشکال اختیار کر لیتا تھا۔ اُس کے بعد اناکسی مینیز (Anaximenes) نے اپنے پیشرو کی طرح بے صورت، غیر متعین، لامحدود اور بے نام مادے کا انتخاب نہیں کیا، بلکہ اُس نے کائنات اور مادی دنیا کا بنیادی اصول ہوا کو قرار دیا۔ اُس نے کہا کہ یہ ہوا بھی غیر متعین مادے کی طرح خلا میں پھیلی ہوئی ہے اور مسلسل حرکت میں ہے۔ یہی حرکت کا اصول ہوا کی بنیادی فطرت میں موجود ہے اور یہی اصول کائنات کے وجود میں آنے اور اس کے ارتقاء کا باعث بنا ہے۔

اِس مسلۂ کا حل فیثاغورث (Phythagoreas) نے یوں پیش کیا ہے کہ:

مُختلف چیزوں کے خواص میں اتنے زیادہ اختلاف ہونے کے باوجود ان سب میں ایک صفت یا خاصیت آفاقی نوعیت کی پائی جاتی ہے جو کائنات کی ہر چیز میں یکساں موجود ہے، چاہے وہ چیز مادی یا تجریدی (خیالی) ہے۔ وہ صفت یہ ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں عددی ہیں اور یہ کہ اُن کو گِنا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں کسی ایسی کائنات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، جس میں "ہندسوں" اور تعداد کا تصور نہ ہو۔ فیثاغورث کا کہنا تھا کہ کسی ایسی کائنات کا تصور تو کیا جا سکتا ہے، جس میں رنگ، ذائقہ نہ ہو اور بے وزن ہوں لیکن کسی دنیا کا تصور نہیں کیا جا سکتا جس میں ہندسوں کا وجود یا ضرورت نہ ہو یا تعداد کا بالکل تصور ہی نہ ہو۔ یہی دنیا کے وجود میں آنے کے بنیادی اصول کا اہم ترین پہلو ہے۔

ہراکلیٹس نے 2500 سال پہلے یہ نظریہ دیا کہ تمام اشیاء آگ سے وجود میں آئی ہیں اور اسی میں واپس مِل جائے گی۔ اِس کی وضاحت دی کہ آگ دراصل تغیر کی صورت ہے، اِس لئے تغیر و تبدیل کا عمل ہی حقیقی ہے۔ اس کے برعکس وجود یا مُستقل صورت کا قیام سب فریبِ نظر ہے۔ اُس کا مشہور قول ہے کہ حرکت اصل حقیقت ہے۔ دنیا کی ہر چیز مسلسل تغیر و تبدیل کے عالم میں ہے اور نئی نئی صورتیں اختیار کر رہی ہیں۔ ہراکلیٹس کہا کرتا تھا کہ چیز بظاہر یعنی باہر سے اگر ویسی ہی ہو جیسے پہلی تھی تو یہ صِرف اس کے مادے کے حُجم کی وجہ سے ہے لیکن اصل مادہ پہلے والا نہیں رہتا بلکہ بہتے دریا کے پانی کی طرح بدلتا رہتا ہے۔

اگر یہ اصول تسلیم کر لیا جائے کہ مادے کی مُختلف قسموں کی بنیاد فطری طور پر ایک ہی مادہ ہے تو پھر مادے کی موجود عناصر یعنی ہوا، پانی، آگ اور مِٹی کی مُختلف خاصیتوں کا مسلۂ سامنے آ جاتا ہے کہ پھر یہ بظاہر مُختلف خاصیتیں ایک خاص یا مخصوص خاصیت کیسے اپنائیں گی۔ طبیعین کے نزدیک آگ و آب و خاک و دباؤ (عناصرِ اربعہ) کائنات کے اساسی اجزا ※ ترکیبی ہیں۔ اِسی اصول سے نظریہ ارتقاء کا آغاز فلسفہ مادیت سے ہوتا ہے جس کا ابوالآباء دیمقراطس کو قرار دیا جاتا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ ہر شے جواہر سے بنی ہے اور جواہر از روئے ہندسہ نہیں بلکہ مادی طور پر ناقابل تقسیم ہیں۔ ان قدیم مادئین کا خیال تھا کہ کچھ بھی ہو، یوں ہی (اتفاق سے) نہیں ہوتا بلکہ ہر بات کسی سبب کے باعث ہوتی ہے۔

وہ جواہر کو لایتجزیٰ کہتے ہیں اس نظریہ کی رو سے یہ تسلیم کیا جاتا تھا کہ:

(1) یہ تمام لایتجزی اجزا مادی ہیں۔ (2) ہر شے انہی ذرات سے مرکب ہے۔

(3) جب یہ باہم مل کر کسی شے کو ترتیب دیتے ہیں، تو ان کے درمیان خلا رہ جاتی ہے۔

(4) یہ ذرات ناقابل فنا ہیں۔ (5) یہ ہمیشہ سے حرکت میں ہیں اور ہمیشہ حرکت میں رہیں گے۔

(6) جواہر تعداد میں لامحدود ہیں۔

(7) تمام اقسام کے جوہر کی نوعیت ایک ہی ہے۔ ان میں فرق صرف شکل اور جسامت کا ہے۔

(8) نفس انسانی بھی انھیں اجزاء سے مرکب ہے اور انسانی فکر ان ہی اجزاء کی طبیعی ترتیب سے ظہور میں آتا ہے۔

عصرِ جدید میں بھی حکمائے مغرب تخلیقِ کائنات کی گتھیوں کو سُلجھانے میں لگے رہے، لیکن سمپسن کا نظریہ ارتقاء کا آغاز اِس سوال سے اُٹھتا ہے کہ زندگی کی ابتداء کیسے ہوگئی؟ اُس کے نزدیک نہایت دیانتداری سے اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں اس کا کچھ علم نہیں۔

اِس کا جواب ہمیں قرآن کی مشیتِ خداوندی میں تخلیق کے درجِ ذیل تین گوشوں میں ملتا ہے۔

1۔ مشیتِ خداوندی کے عالمِ امر میں عدم سے وجودِ تخلیق کا مرحلہ

2۔ مشیتِ خداوندی کا دوسرا گوشہ عالمِ خلق۔

3۔ تیسرے گوشہ انسانیت کی تخلیق میں اِنسانی ذات کا وجود کا ترتیب وار جائزہ لیا آرہا ہے۔

1۔ مشیتِ خداوندی کے عالمِ امر میں عدم سے وجودِ تخلیق کا مرحلہ

اِس پہلے مرحلہ کو قرآن خدا کے ارادہ، عمل یا اس کی مشیّت کی کارفرمائی کا میدان قرار دیا جاتا ہے۔ یہ وہ گوشہ ہے جہاں خدا کا قانون بنتا ہے۔ یہیں سے قانون بنایا گیا ہے کہ آگ حرارت، پانی پیاس اور سنکھیا ہلاکت کا موجب ہے۔ سوال یہ ہے کہ سنکھیا موجب ہلاکت کیوں بنایا گیا ہے، شہد کو شیرینی اور نمک کو نمکینی کیوں دی گئی؟ اس ''کیوں'' کا جواب کوئی نہیں دے سکتا۔ بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ خدا نے جیسا چاہا ویسا بنا دیا۔ یہ اِس حالت کا قرآن نے یوں ذکر کیا ہے کہ

اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (11:107)

وہ (اللہ) جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔

یعنی وہ اپنے ارادے، اپنے پلان، اپنی مشیّت اور اپنی اسکیم کے مطابق جو قانون اس نے بنا دیئے ہیں، ان میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔ یہ قوانین اس زمانے کے بن چکے تھے، جب کوئی بھی نہیں تھا۔

عالمِ امر میں البتہ ایک چیز ایسی ہے جسے ہم سبب اور علّت کے اصول پر نہیں سمجھ سکتے، اور وہ ہے پہلے پہل، خدا کا اس کائنات کو عدم سے وجود میں لانا۔ ہم کائنات کے عدم سے وجود کے سبب کو معلوم نہیں کر سکتے۔ آغاز کائنات کے لئے خدا نے کہا کہ اس کو ہم بغیر سبب کے عدم سے بغیر کسی سابقہ مسالے کے وجود میں لے آئے ہیں، لیکن جب ہم اس کائنات کو وجود میں لے آئے ہیں تو اب یہاں ہر (علّت) کا ایک (سبب) ہوگا اور وہ خدا کا مقرر کردہ ہے، جس میں نہ کوئی دوسرا تبدیلی کر سکتا ہے اور نہ خود خدا اپنے قوانین میں تبدیلی کرے گا۔ کائنات کو عدم سے وجود میں لے آنا انسانوں کے لئے خدا کا معجزہ ہے جس کی وجہ معلوم

کرنے میں انسان ہمیشہ ہی عاجز رہے گا۔ اگر کوئی پوچھے کہ خدا نے اس سلسلہ کائنات کو کیوں اور کس طرح بنایا تو اس کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں دیا جا سکتا کہ خدا نے اپنی مرضی سے جس طرح چاہا بنا دیا۔ اس مقام پر مشیتِ خداوندی نے کسی قاعدے اور قانون کی پابندیوں میں اپنے آپ کو جکڑا ہوا نہیں ہے۔ حتیٰ کہ کسی کو بھی جس میں رسول بھی شامل ہوتا ہے، علم بھی نہیں دیا گیا۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ (3:127)

''(اے رسول) تیرے (یا کسی اور کا) اس عالم امر کے قانون کے جاننے کا کوئی اختیار نہیں۔''

یہ خدا کا عالم امر ہے جہاں ہر شے اس کی سکیم کے مطابق وجود میں آتی ہے یعنی اس کی تخلیق کا آغاز ہوتا ہے اور اسکے لیے قوانین مقرر ہوتے ہیں۔ عالمِ امر سے متعلق کوئی خدا سے سوال نہیں کر سکتا کہ اس نے ایسا یا ویسا کیوں کیا۔ عالمِ امر میں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، جو اس کی منشآ ہوتی ہے، وہ کرتا ہے، وہ اپنے ارادے کے مطابق کرتا ہے اور اس عالم میں وہ کسی قاعدے قانون کا پابند نہیں ہے۔ عالمِ امر کو کائنات کا حصّہ بھی نہیں سمجھنا چاہیئے، البتہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ عالمِ امر خالصتاً خدا کے عمل کرنے کا میدان ہے، اس کے علاوہ کسی اور کے عمل کرنے کا میدان نہیں ہے۔ پھر قوانین کو ایسا بنایا ہے کہ:

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا (48:23)

اِن میں خدا خود کسی قسم کی تبدیلی نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی دوسرا، ان قوانین میں کسی قسم کا تغیر و تبدّل کر سکتا ہے۔ ہماری اپنی دنیا میں جب سائنسدان علّت و معلول کی کڑیاں ملاتے ہوئے پیچھے کی طرف جاتے ہیں، یعنی یہ چیز یوں بنی، پھر وہ چیز یوں بنی اور اسی طرح جب آخر میں پہنچتے ہیں، تو حیرت زدہ ہو کر رہ جاتے ہیں کہ یہ اوّل مرتبہ کیسے بنا؟ دنیا کا بڑے سے بڑا سائنسدان بھی جواب نہیں دے سکتا کہ کائنات اور ہم عدم سے کیسے وجود میں آئے؟ مشیتِ خداوندی کے پہلے گوشہ عالمِ امر کے عنوان میں ہم نے اللہ کے بطور خالق کائنات میں اُس کی تخلیق کے نظریہ ارتقاء کے قانون کا مطالعہ کیا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ وہ عدم سے تخلیق کرتے ہو، ارتقائی مراحل سے گزارتے ہو۔ یہ عمل کر رہا ہے۔ لہذا ہم یہاں مشیتِ خداوندی کے دوسرے گوشہ عالمِ خلق کے مرحلہ کا جائزہ لینے پر وضاحت پاتے ہیں کہ وہ اِس میں تبدیلی نہیں کرتا۔

2۔ مشیتِ خداوندی کا دوسرا گوشہ عالمِ خلق:

عالمِ امر میں خدا کا ارادہ، منشآ، پلان یا اسکیم ''کُن'' کہنے کے فوراً بعد عالمِ خلق میں محسوس شکل میں آجاتی ہے۔ اِس طرح شے سے متعلق جو قوانین عالمِ امر میں بنائے گئے تھے، اُن کے بروئے کار آنے سے شے ارتقائی منازل آہستہ آہستہ طے کرتی اپنے نقطۂ تکمیل تک پہنچتی ہے۔ یاد رہے کہ عالمِ امر میں طے کردہ قوانین کے مطابق، شے عالمِ خلق میں ارتقاء کرنے اور زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔ اس عالمِ خلق کے مرحلے کے متعلق کائنات کی ہر شے کی قرآن میں وضاحت کی گئی ہے کہ

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا (25:2)

اب (عالمِ خلق میں) ہر شے ہمارے قانونِ اقدار کے مطابق ڈھالی جاتی ہے۔

جیسا کہ اُوپر وضاحت کی گئی ہیں کہ یہ اقدار مستقل، مُطلق اور غیر متبدل ہوتی ہیں اور ہر شے اِن اقدار یا پھر آج کی

اصطلاح میں سُنت/ قانونِ الٰہی کے مطابق چلنے پر مجبور ہے۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (48:23) ہماری سُنت (قوانین) میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔

عالمِ خلق میں ہمارا مشاہدہ ہے کہ اس دنیا کی ہر شے علت و معلول کے مجبور سلسلہ میں جکڑی ہوئی ہے۔ دنیا میں ہر عمل کا ایک نتیجہ ہوتا ہے۔ کوئی چیز بھی یہاں اتفاقیہ نہیں ہوتی۔ اگر آپ کو کوئی سبب معلوم نہیں تو یوں کہیں کہ میں اس کا سبب معلوم نہیں کر سکا۔ خدا نے ہر شے کے اِقدار/قوانین بنائے اور لاگو کئے اور اِس کے بعد وہ خود بھی ان کے تبدل کرنے میں مداخلت نہیں کرتا، اس لئے یہ اور اُن کے نتائج بھی غیر متبدّل کہلاتے ہیں۔ خدا نے خود کہا ہے کہ طبیعی کائنات میں سبب کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ جس چیز کا سبب معلوم نہ ہو سکے اس کو معجزہ سمجھنے کی بجائے کہنا چاہیئے کہ ہم ابھی اس کے سبب کی تحقیق نہیں کر سکے۔ جسے ہم چانس یا اتفاقیہ کہتے ہیں وہ اس لئے چانس ہوتا ہے کہ ہمیں اس کا سبب معلوم نہیں ہوتا۔ یہی نظریہ جبریت کا مؤقف ہے، جس میں کائنات کی اِنسانی زندگی اور پہلے تک سبھی تخلیقات شامل ہوتی ہیں۔ اللہ نے انسان کو اِس عالمِ تخلیق میں سبھی موجود کائنات کے سبب دریافت کر کے اُنہیں تسخیر کرنے کا پورا پورا علم دے رکھا ہے۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ (2:31)

اور اللہ نے آدم (یعنی نوعِ انسانی) میں تمام اشیائے کائنات کی صفات جان لینے کی صلاحیّت رکھ دی کہ وہ کس قانون کے تحت کام کرتی ہیں۔ ہمارے علم میں اِس حقیقت کو لایا جارہا ہے کہ ہمیں علم کے فہم کی کُلی صلاحیت ودیعت کر دی گئی ہے۔ ایسے علم کے دو معنی بیان کئے جاتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ فلاں شے کیا اور دوسری بات یہ کہ یہ شے کس قانون کے تابع کام کر رہی ہے؟ لہذا جوں جوں انسان اشیاء کے قانون کو دریافت کرتا چلا جائے گا، ہر مادی قوّت اس کے سامنے مسخر اور جھکتی چلی جائیں گیں۔

3۔ تیسرے گوشہِ انسانیت کی تخلیق میں اِنسانی ذات کا وجود:

قرآن انسان کے بارے میں، بس ایک تو اس کے جسم کا ذکر کرتا ہے اور ایک اس کے نفس کا جسے ذات بھی کہتے ہیں۔ اس کی روح کا ذکر کہیں نہیں آیا، البتہ خدا کی روح بمعنی کا بطور الٰہیاتی توانائی کا ذکر قرآن ضرور کرتا ہے۔

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ (32:9) انسان میں صحیح توازن و تناسب قائم کیا، اور اس میں نفخ روح کیا، یعنی اپنی صفاتی توانائی کا شمہ بھر، خوابیدہ شکل میں اس کے اندر ڈال دیا، اور انسان کو سماعت و بصارت، اور فیصلہ کرنے والی قوّت فؤاد عطا کر دی''۔ توانائی/ انرجی کو ہم جان نہیں سکتے کہ یہ ہوتی کیا ہے؟ مثلاً بجلی کا کسی کو علم نہیں کہ یہ کیا ہوتی ہے؟

جیسا کہ ابھی ہم نے طبیعی زندگی کے مراحل کا ذکر کیا ہے، اِس آیت میں اُس کے بعد اِنسانی ذات کے وجود کے درجِ ذیل مراحل کی بات کی جارہی ہے۔

1۔ اِنسان میں صحیح توازن و تناسب قائم کیا۔

2۔ اور اس میں نفخ روح کیا، یعنی اپنی صفاتی توانائی کا شمہ بھر، خوابیدہ شکل میں اس کے اندر ڈال دیا،

3۔اور انسان کو سماعت و بصارت، اور فیصلہ کرنے والی قوّت فؤاد عطا کر دی''۔

اس مقام پہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ نے اس توانائی یعنی روح کو روحنا ''ہماری روح'' کیوں کہا ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ کائنات میں ہر جگہ توانائی پائی جاتی ہے، اور خصوصی طور پر جانداروں میں اس کا اظہار نمایاں اور محسوس طریق پر ہوتا ہے۔ اس توانائی کو ہم سمجھتے ہیں، جو مادی اسباب و علل کا نتیجہ ہوتی ہے۔ روحنا ''ہماری توانائی'' کہہ کر یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ توانائی مادی قوانین سے متعلق نہیں ہے، بلکہ اللہ کی طرف سے براہ راست ہر انسانی بچے کو ملی ہے۔ اسے قرآن کریم کی اصطلاح میں نفس کہا جاتا ہے، جس کا مظاہرہ اس کے اختیار و ارادہ سے ہوتا ہے۔ یہ توانائی جسمِ انسانی کی طبیعی توانائی سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ زیادہ طاقت ور ہونے کی وجہ سے طبیعی توانائی، اِس الوہیاتی توانائی، کے تابع کام کرتی ہے۔ نفس کی توانائی یعنی اختیار و ارادہ کی قوت کو انسانی ذات کا نام دیا جاتا ہے۔ اِس کے عطا کرنے کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ ذات کی نشوونماء کرتے ہوئے اُسے ارتقاء کے اِس درجہ تک پہنچا دیا جائے کہ وہ حیات بعد الممات کی حیات کا اہل ہونے کے بعد ذات میں مزید نشوونماء کرنے کا اُمیدوار بن سکے۔ ذات کی نشوونماء کے لئے ضروری ہے کہ انسان کے سامنے کوئی خارجی معیار ہو، جس پر پرکھ کر وہ اپنی نشوونماء کی قوتوں کا اندازہ کرتا چلا جائے۔ انسانی فہم یہاں معیار میں آ کے رُک جاتا ہے، اور ابھی تک اِس کا جواب ڈھونڈنے میں مصروف ہے۔ وہ معیار، قرآن کی رو سے، ذاتِ خداوندی کی صفات ہیں، جن کو الاسما الحسنٰی کہا جاتا ہے، اور ان ہی کو قرآن صبغ، اللہ بھی کہتا ہے۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ

1۔خدا کی بھی ایک ذات ہے اور اس کی عطا کردہ انسان کی بھی ایک ذات ہے۔ ذات ایک غیر منقسم وحدت ہوتی ہے، چاہے وہ خدا کی ذات ہو یا اس کی عطا کردہ انسانی ذات۔

2۔خدا کی ذات اور خصائص مکمل ترین اور بلند ترین (الاسماء الحسنٰی) میں جلوہ بار ہوتے ہیں۔ اس کے مقابل انسانی ذات محدود اور سمٹی ہوئی بطور ممکناتِ زندگی کی شکل میں ہوتی ہے، جس کی نشوونما انسانی زندگی کا مقصد ہے۔

3۔کسی نچلی سطح کی ذات کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی تکمیل کے لئے کسی بلند ذات کو معیار بنائے۔ اسی لئے خدا کی اعلیٰ صفات کو انسان کے لئے بطور معیار سامنے رکھنا ضروری ہے۔ اگر اس قسم کا معیار انسان کے سامنے نہ ہو، تو وہ بشریت کی محدود حد تک اُنہیں اپنے اندر منعکس کرنے سے بے خبر ہی رہتا۔ وہ جان ہی نہیں سکتا تھا کہ اس کی ذات کی نشوونما ہو رہی ہے یا نہیں؟

4۔خدا کی صفات کو اپنے سامنے بطور معیار رکھ لینا اور اپنی ذات میں ان کی نمود اور نشوونما کو زندگی کا نصب العین قرار دینا، خدا پر ایمان کہلاتا ہے۔ یہ ایمان انسان کو حیوانی سطح کی زندگی سے بہت بلند معیار تک لے جاتا ہے۔ اسی لئے کہا جا سکتا ہے کہ جس شخص کا اپنی ذات پر ایمان نہیں، اس کا کوئی مقصد نہیں اور وہ مزید ارتقاء کے قابل ہی نہیں رہتا۔ اِس طرح اُس کی زندگی جمیم بن کر رہ جاتی ہے، یعنی مزید ارتقاء سے رُک جاتی ہے۔

نظریہ ارتقاء کے عملی اِطلاق کرتے ہوئے فریقین نے تحقیق کرتے ہوئے نتائج کی نشاندہی کرتے ہوئے اپنا اپنا مؤقف پیش کیا، جس کا ہم اِس باب میں تجزیہ سامنے لا رہے ہیں۔

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
www.azharabbas.com
khawaja.azharabbas@gmail.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عورتوں پر تشدّد
ایک آیۂ کریمہ کی مذہبی و دینی تفسیر

ارشادِ حضرتِ باری تعالیٰ عز اسمہ ہے وَالّٰتِیۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَهُنَّ فَعِظُوۡهُنَّ وَاهۡجُرُوۡهُنَّ فِی الۡمَضَاجِعِ وَاضۡرِبُوۡهُنَّ ۚ (4:34) ترجمہ: اور جن کی بدخوئی کا ڈر ہو تم کو، تو اُن کو سمجھاؤ، اور جدا کرو سونے میں اور مارو، اس آیہ کریمہ کا یہ عام طور پر ترجمہ کیا جاتا ہے۔ ہم نے بھی جو ترجمہ تحریر کیا ہے یہ حضرت شیخ الہند کا کردہ ترجمہ ہے جو مستند ترین ترجمہ سمجھا جاتا ہے۔ اس آیت کے حاشیہ میں حضرت العلام مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب نے تحریر فرمایا ہے ''یعنی اگر کوئی عورت خاوند سے بدخوئی کرے تو پہلا درجہ تو یہ ہے کہ مرد اس کو زبانی فرمائش کرے اور سمجھا دے۔ اگر نہ مانے تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ جدا سوئے لیکن اسی گھر میں۔ اس پر بھی نہ مانے تو آخری درجہ یہ ہے کہ اس کو مارے۔ پر نہ ایسا کہ جس کا نشان باقی رہے۔ یا ہڈی ٹوٹے ہر تقصیر کا ایک درجہ ہے اس کے موافق تادیب اور تنبیہ کی اجازت ہے جس کے تین درجے ترتیب وار آیت میں مذکور ہیں اور مارنا پیٹنا آخر کا درجہ ہے۔ سرسری قصور پر نہ مارے ہاں قصور زیادہ ہو تو پھر مارنے میں حرج نہیں۔ جس قدر مناسب ہو مارے پیٹے مگر اس کا لحاظ رہے کہ ہڈی نہ ٹوٹے اور نہ ایسا زخم پہنچائے جس کا نشان باقی رہ جائے۔'' حضرت نے جو یہ تحریر فرمایا ہے ''پھر مارنے میں حرج نہیں جس قدر مناسب ہو مارے پیٹے۔'' تو ہمیں حیرت ہے کہ حضرت نے یہ الفاظ کیسے تحریر کر دیئے ہمارے نزدیک تو عورتوں کو مارنا پیٹنا چوڑہوں، چماروں کا کام ہے۔ کوئی شریف آدمی تو ہرگز ہرگز اس کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ حضرت مولانا کی ذاتی شرافت میں تو کلام ہی نہیں ہو سکتا۔ تاہم ہمارے علماء کی زیادہ تر اکثریت اس مار پیٹ کو بُرا نہیں سمجھتی۔ بہرحال اگر وہ اس کو بُرا نہیں سمجھتی تو خوب شوق سے ماریں تاہم نہ تو قرآن کو بدنام کریں اور نہ ہی شریف شرفاء کو اس شغل شنیع پر مجبور فرمائیں۔

(2) ہمارے ہاں قرآنِ کریم کا قدیم ترین اور مستند ترین ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب کا ہے انہوں نے بھی اس آیت کا یہ ترجمہ کیا ہے ''اور جن کی بدخوئی کا ڈر ہو تم کو تو اُن کو سمجھاؤ اور جدا کرو سونے میں، اور مارو۔''

(3) ان کے ہی والد محترم شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی جو برصغیر کے سب سے بڑے عالم شمار ہوتے ہیں اور جنہوں نے سب سے پہلے قرآن کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ وہ اس آیت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں۔ ''وآں زناں کہ معلوم کنید سرکشی ایشاں پس پند دہید ایشاں را۔'' اس آیت کے حاشیہ میں شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں ''وبزنید ایشانرا زدنی کہ نخزاشد ونہ شکند عضورا۔ زشت نہ کند وگفتہ اند وعظ نزد یکِ خوفِ نشوز است، وہجر بہنگامِ ظہور نشوز، وضرب بوقت تکرار نشوز۔'' واضح رہے کہ یہ دونوں سزائیں، عورتوں کو خواب گاہوں میں چھوڑنا، اور مارنا، کسی بدچلنی یا بداطواری کی وجہ سے نہیں ہے۔ یہ صرف عورت کی بدخوئی کی سزائیں ہیں۔

(3) تفسیر مظہری میں مرقوم ہے ''اور جن عورتوں کی بددماغی کا تم کو اندیشہ ہو، تو ان کو نصیحت کرو، اُن کو اُن کی خوابگاہوں میں اکیلا چھوڑ دو، اور ان کو مارو۔'' اکثر مفسرین نے حکمِ ضرب کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایسا مارو کہ مار کا نشان نہ پڑ جائے۔

(4) تفسیر عروۃ الوثقیٰ میں مرقوم ہے ''جن بیویوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو تو چاہئے کہ اُنہیں سمجھاؤ۔ پھر خوابگاہ میں ان سے الگ رہنے لگو اور اُنہیں مار بھی سکتے ہو۔ اس تفسیر میں وَاضْرِبُوْهُنَّ کا ترجمہ ''انہیں مار بھی سکتے ہو'' کیا ہے یہ ترجمہ غلط ہے اور مترجم کی Guilty Consciousness کی ترجمانی کر رہا ہے۔ مترجم کو خود محسوس ہو رہا ہے کہ مارنے کے فعل کا ارتکاب ایک بُری چیز ہے اس لئے اس کا ترجمہ ''مار بھی سکتے ہو'' کیا ہے۔ حالانکہ یہاں سارے صیغے فعل امر کے ہیں اس لئے یہاں ضرب کا حکم ہے۔ کرنے یا نہ کرنے کی کوئی Choice نہیں ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے لیکن جن عورتوں کو اس سے بھی فائدہ نہ ہو ممکن ہے کہ ان کی فطرت ہی کچھ ایسی سخت ہو کہ سختی و گرمی کے سوا اس کی اصلاح نہ ہو سکتی ہو۔ کیونکہ یہ مثل بھی مشہور ہے کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔ اچھا تو اس کے لئے یہ نسخہ بھی آزما کر دیکھ لو اگر کر سکتے ہو تو ایک دو تھپڑ لگا کر دیکھو لو۔ یہ تیسری سزا بہت پابندیوں کے ساتھ دینے کی اجازت دی گئی ہے۔ آپ غور فرمائیں کہ یہ قرآن کی تفسیر ہو رہی ہے اور بیوی کے مارنے کو اس طرح Lightly اور casually لیا جا رہا ہے۔

(5) ایران میں اس موجودہ دور میں جو تفاسیر تحریر کی گئی ہیں ان میں ''المیزان'' کا مقام بہت بلند ہے۔ یہ تفسیر آیت اللہ علامہ محمد حسین طباطبائی کی تحریر کردہ ہے۔ یہ فاطمہ ٹرسٹ لندن، کی پیشکش ہے۔ اس تفسیر میں اس آیت کے ذیل میں تحریر ہے ''اور وہ عورتیں کہ تمہیں جن کی طرف سے سرکشی کا اندیشہ ہو تو اُنہیں نصیحت کرو اور اُنہیں ان کے بستروں پر بے رغبتی کا مظاہرہ کرو اور اُنہیں مارو۔'' یہ مفہوم موجودہ مہذب دور کی تفسیر میں تحریر کیا گیا ہے۔

(6) تفسیر نمونہ بھی ایران میں تحریر کی گئی ہے۔ یہ اس دور کی مقبول ترین تفسیر ہے۔ یہ انقلاب ایران کے بعد تحریر کی گئی ہے اور غالباً وہاں کی حکومت کی سرپرستی میں تحریر کی گئی ہے۔ اس تفسیر کے تحریر کرنے میں دس ''حجۃ الاسلام والمسلمین'' نے

حصہ لیا ہے جن کے اسمائے گرامی اس تفسیر کے شروع میں مندرج کئے گئے ہیں۔ اس آیت کے ذیل میں اس تفسیر میں تحریر ہے ''اور اُنہیں ذمہ داریوں کی ادائیگی پر آمادہ کرنے کے لئے عملی شدت کے سوا کوئی بات نہ رہے تو یہاں اجازت دی گئی ہے کہ بدنی سرزنش کے ذریعے اُنہیں ان کے فرائض انجام دینے پر آمادہ کیا جائے۔ اس تفسیر نے مارنے کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ بلکہ اس کی جگہ بدنی سرزنش تحریر کر دیا۔ لیکن بات تو ایک ہی ہے۔

(7) اس دور کے روشن خیال مفسر مولانا مودودی نے اپنی تفسیر ''تفہیم القرآن'' میں تحریر فرمایا ہے ''نبی ﷺ نے بیویوں کے مارنے کی جب کبھی اجازت دی ہے بادلِ ناخواستہ دی ہے اور پھر بھی اسے ناپسند ہی فرمایا ہے۔ تاہم بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو پیٹے بغیر درست ہی نہیں ہوتیں، ایسی حالت میں نبی ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ منہ پر نہ مارا جائے۔ بے رحمی سے نہ مارا جائے اور ایسی چیز سے نہ مارا جائے جو جسم پر نشان چھوڑ جائے۔''

ہماری طرف سے یہ بات واضح رہے کہ یہ سب تاویلات ہیں۔ غصہ میں کوئی شخص جب مارتا ہے تو ان قیود کا خیال نہیں رکھ سکتا اور نہ ہی ایسی چیزیں ڈھونڈتا پھرتا ہے کہ جن کے مارنے سے نشان نہ رہے۔ اصل بات یہی ہے عورتوں کو مارنا سفلہ اور رزیل لوگوں کا کام ہے۔ مولوی حضرات خود یہ محسوس کر رہے ہیں۔ لیکن چونکہ سابقہ مولوی اس آیت کا غلط ترجمہ اور غلط مفہوم لے چکے ہیں وہ اس مفہوم سے اِدھر اُدھر ہونا نہیں چاہتے۔

(8) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب پاکستان کے مفتی اعظم تھے۔ اُن کی تفسیر معارف القرآن مشہور تفسیر ہے۔ انہوں نے بھی اس آیت میں واضربوھن کا ترجمہ ''ان کو مارو'' ہی کیا ہے۔ البتہ مارنے کی یہ وضاحت فرما دی ہے کہ ''اس کو معمولی مار مارنے کی بھی اجازت ہے جس سے اس کے بدن پر اثر نہ پڑے اور ہڈی ٹوٹنے یا زخم لگنے تک کی نوبت نہ آئے اور چہرہ پر مارنے کو مطلقاً منع فرما دیا گیا ہے''۔

جناب مفتی صاحب نے عورتوں کو مارنے کی وجہ بھی تحریر فرما دی ہے ''ابن سعد اور بیہقی نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سے روایت نقل کی ہے کہ پہلے مردوں کو مطلقاً عورتوں کو مارنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ مگر پھر عورتیں شیر ہو گئیں تو یہ اجازت مکرر دی گئی۔ مفتی صاحب کا خیال ہے کہ اگر عورتوں کو مارا نہ جائے تو وہ شیر بن جاتی ہیں۔

(9) ہندوستان کے مشہور عالم و مفسر مولانا عبدالماجد دریابادی کی روشن خیالی کا بہت چرچا ہے۔ وہ بی اے پاس ہیں اور فلسفی شمار ہوتے ہیں۔ تاہم انہوں نے بھی اپنی تفسیر میں عورتوں کو مارنے کا حکم جائز قرار دیا ہے۔ البتہ اُنہوں نے عورتوں پر اتنا کرم کیا ہے کہ اس مار کی وضاحت میں تحریر کیا ہے ''اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ یہ مار بالکل ہلکی پھلکی قسم کی ہو۔ ایسی نہ ہو جس سے چوٹ زیادہ آجائے یا جس سے رفیق زندگی کی توہین لازم آتی ہو۔ بلکہ مفسر صحابی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تو یہ منقول ہے کہ مار مسواک جیسی ہلکی پھلکی چیز سے ہو۔ مولانا کی تحریر سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ رفیق زندگی کو عزت مند ہونے کی اجازت

تو دے رہے ہیں اور اس رفیق زندگی کے مارنے کو توہین سمجھ رہے ہیں مولوی حضرات سے یہ بھی بہت غنیمت ہے۔

(10) مولانا پیر محمد کرم شاہ الازہری کی تفسیر ''ضیاء القرآن'' بریلوی حضرات میں ایک مستند اور مشہور تفسیر ہے۔ اس تفسیر میں دیگر تفاسیر کی طرح عورتوں کو مارنے کا حکم جائز قرار دیا گیا ہے۔ اس تفسیر میں تحریر ہے ''وہ عورت جس میں شرافت کی حس ابھی زندہ ہے وہ اس سرزنش سے ضرور اپنی اصلاح کرے گی لیکن اگر یہ طریقِ کار بھی مفید ثابت نہ ہو تو پھر تم اس کو مار بھی سکتے ہو۔ لیکن مار ایسی سخت نہ ہو جس سے جسم پر چوٹ آجائے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تو یہ تصریح کر دی ہے کہ اگر مارنے کی نوبت آئے تو مسواک یا اسی قسم کی کسی ہلکی چیز سے مارے۔ آج کل کے جہلاء اپنی بیویوں کو بھینسوں کی طرح پیٹتے ہیں اس کی اجازت قطعاً اسلام نے نہیں دی۔'' یہاں ہم مولانا کے بے حد شکر گزار ہیں کہ انہوں نے عورتوں کو بھینسوں کی طرح مارنے کی اجازت نہیں دی۔ یہ ان عورتوں کے لیے بہت بڑا FAVOUR ہے تلک عشرۃ کاملہ، یہاں تک ہم نے دس حوالے تحریر کر دیئے ہیں۔

ہم نے مولویانہ مذہبی تفاسیر کے دس حوالہ جناب کے سامنے پیش کر دیئے ہیں۔ اب ہم آپ کے سامنے اس آیۂ کریمہ کی دینی تفسیر پیش کرتے ہیں۔

عربی زبان میں ضرب کے معنی مارنا آتے ہیں لیکن اس کے معنی صرف مارنے کے ہی نہیں ہیں۔ درسی لغت مصباح اللغات نے اس کے تقریباً دس معنے تحریر کئے ہیں۔ دیگر معانی کے علاوہ ضرب کے معنی ''بیان کرنا'' بھی آتا ہے۔ خود قرآنِ کریم نے ضرب کو بیان کرنے کے معنی میں استعمال کیا ہے ارشادِ عالی ہے كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ (13:17) ترجمہ: اس طرح اللہ حق و باطل کی بات کو سمجھاتا ہے۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا (43:58) ترجمہ: یہ لوگ مجھے بات نہیں سمجھاتے بلکہ محض جھگڑا کرتے ہیں ایک اور مقام پر ارشاد ہے وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا (36:13) ترجمہ: ان کے لئے ایک مثال بیان کرو۔ سورہ حج میں ارشاد ہے: ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ (22:73) ترجمہ: ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے غور سے کان کھول کر سنو۔ ان تمام مقامات پر قرآنِ کریم نے ضرب کو ''بیان کرنے'' کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ آیۂ کریمہ میں وَاضْرِبُوْهُنَّ کے الفاظ ترتیب کے لحاظ سے وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ کے بعد آتے ہیں کہ تم اُنہیں بستروں میں الگ کرنے کے بعد ساتھ میں اُن پر اس اقدام کی وجہ بیان کر دو کہ تم نے ان کے ساتھ یہ ناراضگی کا رویہ کیوں اختیار کیا ہے تاکہ تمہارا یہ اقدام اثر انداز ہو مثلاً تم اپنی بیوی کو بتلاؤ کہ فلاں وقت اس نے تم سے بہت بُرا سلوک کیا۔ عربی قواعدہ کی رو سے اس مقام پر وَاضْرِبُوْهُنَّ ترکیب میں فعظوھن کی تاکید اور اس کا بیان ہے۔ یہاں مارنے کا مفہوم کسی طرح بھی درست معلوم نہیں ہوتا لیکن اگر بالفرض کوئی مولوی صاحب اس بات پر اصرار ہی کرتے ہیں کہ وہ یہاں وَاضْرِبُوْهُنَّ کے معنی مارنے کے ہی لیں گے اور ضرور بالضرور اپنی بیوی کو ماریں گے تو ان کی خدمت عالی میں عرض ہے کہ

قرآنِ کریم نے جو احکامات دیئے ہیں اور خصوصاً سزاؤں کے احکامات، تو اس مقام پر قرآنِ کریم کے پیشِ نظر اسلامی مملکت ہوتی ہے۔ وہ ان احکامات کے جاری کرنے اور ان پر عمل کرانے کی صورت میں ہمیشہ مملکت کو مخاطب کرتا ہے۔ افراد کو مخاطب نہیں کرتا مثلاً جو چور کی سزا بیان کرتا ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دو (5:38) تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کسی شخص کے چوری ہوتی ہے تو وہ محلے کے لوگوں کو اکٹھا کر کے اس چور کے خود ہاتھ کاٹ دے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے ہاں چوری ہوئی ہے وہ اس کی اطلاع تھانے یا عدالت میں دے۔ اس متعلقہ محکمہ میں اس کے جرم کی باقاعدہ تفتیش ہوگی اور اگر وہ شخص مجرم ثابت ہوا، تو عدالت کے لئے قرآن کا حکم ہے کہ چوری کی سزا ''ہاتھ کاٹنا'' ہے۔ حکومت کا ادارہ اس کو یہ سزا دے گا۔ اس زیرِ غور معاملہ میں بھی یہی صورت اختیار کرنی چاہئے کہ پہلے تو بیوی کو سمجھایا جائے۔ پھر اس کو اس کے بستر میں چھوڑ دیا جائے۔ اس کے بعد بھی اگر بیوی نرمی نہ پکڑے اور حالات درست نہ ہوں تو اس کی اطلاع متعلقہ محکمہ کو دی جائے۔ وہ محکمہ اس شکایت کی پوری پوری تفتیش کرے گا اور اگر مرد کی یہ شکایت درست ثابت ہوئی تو وہ محکمہ اس خاتون کو سزا دے گا۔ افراد کو اس بات کی بالکل اجازت نہیں کہ وہ مظلوم عورتوں کو از خود ماریں۔ جیسا کہ مولانا عثمانی نے لکھا ہے کہ جس طرح مردوں کا جی چاہے وہ عورتوں کو ماریں اور پیٹیں۔

یہ بات واضح رہے کہ قرآنِ کریم کے احکامات پر اسلامی ریاست میں ہی عمل ہوسکتا ہے۔ غیر اسلامی نظام میں نہ تو حدود جاری ہوسکتی ہیں اور نہ ہی یہ احکامات جاری ہوسکتے ہیں۔ اس غیر اسلامی نظام میں جبکہ مملکت کے حکام، سیاسی لیڈرز ایم، این، اے وغیرہ لٹیرے ہوں اور عوام کے حقوق اور ان کی روزی غصب کر رہے ہوں، عوام روٹی کو ترس رہے ہوں۔ اس حال میں چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم کیسے جاری ہوسکتا ہے۔ زیرِ نظر معاملہ میں بھی مملکت ہی ایسا شعبہ قائم کرے گی جو عورتوں کی ''سرکشی'' کے کیس کی سماعت کر کے، ان کو مناسب سزا دے گی۔

سانحہ ارتحال

بزمِ طلوعِ اسلام منڈی بہاء الدین کے نمائندہ محترم خان محمد خان صاحب گذشتہ دنوں مختصر علالت کے بعد وفات پا گئے ہیں۔ محترم خان محمد خان صاحب ایک ماہرِ تعلیم اور فکرِ قرآنی کے ملنسار اور خوش گفتار تھے۔ منڈی بہاء الدین میں ایک طویل عرصہ تک قرآن کی شمع کو جلائے رکھا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ان کے پس ماندگان اور بچوں کو صبر کی توفیق سے نوازے۔ ادارہ ان کے لواحقین کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فرمودات قائدِ اعظمؒ

قرآن کریم:

☆''میں نہ کوئی مولوی ہوں نہ ملا' نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے' البتہ میں نے قرآن مجید اور قوانینِ اسلامیہ کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے' اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں' زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی' سیاسی ہو یا معاشی غرض یہ کہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطے سے باہر ہو''۔

(عثمانیہ یونیورسٹی' حیدرآباد دکن' 1941ء)

(طلوع اسلام، جنوری 1948ء صفحہ:55)

☆☆☆☆☆☆☆

☆''بعض لوگ نکتہ چینی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسلام کیا ہے؟ یہ لوگ یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ میں اسلام سے ناواقف ہوں' میں نے قرآن کریم کو بار بار بغور پڑھا ہے اور جب میں نے یہ کہا تھا کہ پاکستان میں اسلامی نظام قائم ہوگا تو یہ محض ادعا اور بڑ نہیں تھی''۔

(طلوع اسلام، فروری 1959ء، صفحہ:70)

☆☆☆☆☆☆☆

☆''اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز پیشِ نظر رہنا چاہئے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں' اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی' نہ کسی اور شخص یا ادارے کی' قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کر سکتے ہیں اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے''۔

(عثمانیہ یونیورسٹی' حیدرآباد دکن، 1941ء)

(طلوع اسلام، جنوری 1966ء، صفحہ:14)

☆☆☆☆☆☆☆

☆''آپ نے مجھ سے ایک پیغام کی خواہش کی ہے۔ میں بھلا آپ کو کیا پیغام دے سکتا ہوں' روشنی اور راہنمائی کے لئے تو ہم سب قرآن کے عظیم ترین پیغام سے فیضیاب ہیں''۔

(فرنٹیئر مسلم اسٹوڈنٹس کانفرنس، 14 اپریل 1943ء)

(طلوع اسلام، جنوری 1966ء، صفحہ:47)

☆☆☆☆☆☆☆

☆''جب ہمارے پاس قرآن کریم ایسی مشعلِ ہدایت موجود ہے تو پھر ہم اس کی روشنی میں ان اختلافات کو کیوں نہیں مٹا سکتے؟''۔

(پیغام عید، 13 نومبر 1945ء)

(طلوع اسلام، ستمبر 1972ء، صفحہ:30)

☆☆☆☆☆☆☆

☆''اس حقیقت سے، سوائے جہلاء کے ہر شخص واقف ہے کہ قرآن مسلمانوں کا ضابطۂ حیات ہے۔ یہ ضابطۂ حیات، مذہب، معاشرت، تجارت، عدل، فوج، سول، فوجداری کے تمام قوانین کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ مذہبی رسوم ہوں یا روزمرہ کی زندگی کے عام معاملات، روح کی نجات کا سوال ہو یا بدن کی صفائی کا، اجتماعی واجبات کا سوال ہو یا انفرادی حقوق کا، اخلاقیات کا معاملہ ہو یا جرائم کا، اس دنیا میں مجرموں کی سزا کا سوال ہو یا آخرت کی عقوبت کا، ان تمام معاملات کے لئے اس ضابطہ میں قوانین موجود ہیں، اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہر مسلمان کو قرآن کا نسخہ اپنے پاس رکھنا چاہئے اور اس طرح اپنا مذہبی پیشوا آپ بن جانا چاہئے''۔

(عید کا پیغام، 1945ء)

(طلوع اسلام، جنوری 1960ء، صفحہ:73)

☆☆☆☆☆☆☆

☆''اس وقت میدان سیاست میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی جنگ ہو رہی ہے، لوگ پوچھتے ہیں کہ کون فتح یاب ہوگا، علم غیب تو خدا کو ہے، لیکن میں ایک مسلمان کی حیثیت سے علیٰ روس الاشہاد کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہم قرآن مجید کو اپنا آخری اور قطعی رہبر بنا کر ثبات و استقامت پر کاربند رہیں اور اس ارشاد خداوندی کو کبھی فراموش نہ کریں کہ مسلمان سب بھائی بھائی ہیں تو ہمیں دنیا کی کوئی طاقت یا کئی طاقتوں کا مجموعہ بھی مغلوب نہیں کر سکتا''۔

(جلسۂ عام حیدرآباد دکن، 11 جولائی 1946ء)

(طلوع اسلام، فروری 1966ء، صفحہ:39)

☆☆☆☆☆☆☆

☆''وہ کیا چیز ہے جس نے مسلمانوں کو ایک رشتے میں پرو رکھا ہے، وہ کون سی چٹان ہے جس پر ان کی ملی عمارت کی بنیاد ہے، وہ کونسا لنگر ہے جس سے ان کی کشتی بندھ رہی ہے؟

ان سوالوں کا جواب ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ یہ محکم رشتہ، یہ سنگین چٹان، یہ آہنی لنگر خدا کی وہ کتابِ عظیم (قرآن کریم) ہے جس نے تمام مسلمانوں کو جسدِ واحد بنا رکھا ہے، مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے ہم میں وحدت زیادہ ہوتی جائے گی، اس لئے کہ ہمارا خدا ایک، خدا کی کتاب ایک، اس کا رسول ایک، اس لئے ہماری ملت بھی ایک ہے''۔

(مسلم لیگ کراچی سیشن میں تقریر)

(طلوع اسلام، جنوری 1960ء، صفحہ 69)

☆☆☆☆☆☆☆

☆''اس حقیقت سے ہر مسلمان باخبر ہے کہ قرآن کے قوانین صرف مذہبی اور اخلاقی حدود تک محدود نہیں، گبن ایک مقام پر لکھتا ہے کہ بحر اٹلانٹک سے لے کر گنگا تک ہر جگہ قرآن کو ضابطۂ حیات کے طور پر مانا جاتا ہے جس کا تعلق صرف الٰہیات تک نہیں بلکہ وہ مسلمانوں کے لئے سول اور

فوجداری قوانین کا ضابطہ ہے جس کے قوانین نوع انسان کے تمام احوال واعمال کو محیط ہیں اور وہ منشائے خداوندی کے مظہر ہیں۔ اس حقیقت سے سوائے جہلا کے ہر شخص واقف ہے کہ قرآن مسلمانوں کا ضابطہ حیات ہے۔ مذہب' معاشرت' تجارت' عدالت' فوج' سول اور فوجداری کے تمام قوانین کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے' مذہبی رسوم ہوں یا روزمرہ کی زندگی کے عام معاملات۔ روح کی نجات کا سوال ہو یا بدن کی صفائی کا۔ اس دنیا میں مجرموں کی سزا کا سوال ہو یا آخرت کی عقوبت کا' ان تمام معاملات کے لئے اس ضابطے میں قوانین موجود ہیں اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہر مسلمان کو قرآن کا نسخہ اپنے پاس رکھنا چاہئے''۔

(تقاریر وتحریراتِ جناحؒ حصہ دوم صفحہ:405)

(طلوع اسلام، جنوری 1964ء، صفحہ:8)

☆☆☆☆☆☆☆

☆''ہم (ہندوؤں کی طرف سے) ایک ایسی سازش کا شکار ہوئے ہیں جو بڑی گہری اور سوچ سمجھ کر اختیار کی گئی تھی اور جسے دیانت' شجاعت اور عزت کے ابتدائی اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر بروئے کار لایا گیا ہے' ہم بحضور رب العزت سجدہ ریز ہیں کہ اس نے ہمیں ایسی ہمت اور یقینِ محکم عطا فرمایا' جس سے ہم نے شر کی ان تمام قوتوں کا پورا پورا مقابلہ کیا۔ اگر ہم نے قرآن کریم سے راہنمائی حاصل کی تو میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ آخرالامر کامیابی ہماری ہی ہو گی' میرا آپ سب سے اور ان تمام افراد سے جن تک میرا یہ پیغام پہنچے' مطالبہ یہ ہے کہ آپ پاکستان کو اسلام کا محکم قلعہ بنانے اور اپنے آپ کو ایک ایسی عظیم ملت کی شکل میں تعمیر کرنے کے لئے جس کا مقصد ملک کے اندر اور باہر امن قائم کرنا ہو' عندالضرورت سب کچھ قربان کر دینے کا عہد کریں''۔

(یونیورسٹی اسٹیڈیم لاہور، 13 اکتوبر 1947ء)

(طلوع اسلام، جنوری 1961ء، صفحہ:42)

☆☆☆☆☆☆☆

☆''اگر ہم قرآن مقدس سے تحریک اور ہدایت حاصل کریں تو میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ آخری فتح ہماری ہو گی''۔

(طلوع اسلام۔ فروری 1959ء، صفحہ:69)

☆☆☆☆☆☆☆

☆''تیرہ صدیاں گذر جانے پر بھی اچھے اور برے احوال وظروف کے باوجود جن سے مسلمان گزرے ہیں' ہم لوگ اپنی عظیم اور مقدس کتاب پر نازاں ہی نہیں رہے ہیں بلکہ ان تمام زمانوں میں اس کے جملہ اصولوں کے ساتھ ہمارا تعلق برقرار رہا ہے''۔

(طلوع اسلام، فروری 1959ء صفحہ ۷۰)

☆☆☆☆☆☆☆

رَسُول اکرم ﷺ

☆''اس اسکیم کو پیش کرتے ہوئے جو اصول میرے دل کی گہرائیوں میں جاگزیں تھا وہ مسلم ڈیموکریسی کا اصول تھا یہ میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اس ذاتِ اقدس واعظم حضور رسالتمآب ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے اتباع میں مضمر ہے جس نے ہمیں قانون (خداوندی) عطا فرمایا' آیئے ہم

اپنی جمہوریت کی بنیاد سچے اسلامی اصولوں پر رکھیں، ہمارے خدا نے ہمیں سکھایا ہے کہ ہماری مملکت کے معاملات باہمی مشاورت سے طے پائیں''۔

(سبی دربار بلوچستان، 14 فروری 1948ء)

(طلوع اسلام، جنوری 1961ء، صفحہ:42)

☆☆☆☆☆☆☆

☆''اسلام اپنے دائرہ اخوت میں ذات پات کا کوئی امتیاز گوارہ نہیں کرتا، خود نبی اکرم ﷺ نے ان امتیازات کو ختم کیا اور سرزمین عرب میں ایک ہیئت اجتماعیہ قائم کی، یہ اسی ذات اقدسؐ کی قائم کردہ اساسِ محکم تھی جو مسلمانوں کو اطراف واکنافِ عالم میں بڑھا کر لے گئی اور ایک دن وہ اسپین تک کے دروازوں کو دستک دے رہے تھے''۔

(پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن، 8 مارچ 1944ء)

(طلوع اسلام، جنوری 1966ء، صفحہ:48)

☆☆☆☆☆☆☆

☆''میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات کا واحد ذریعہ اس سنہری اصولوں والے ''ضابطۂ حیات'' پر عمل کرنا ہے، جو ہمارے عظیم واضعِ قانونؐ پیغمبر اسلام نے ہمارے لئے قائم کر رکھا ہے ہمیں اپنی جمہوریت کی بنیادیں سچے اسلامی اصولوں اور تصورات پر رکھنی چاہئیں، اسلام کا سبق یہ ہے ''مملکت کے امور و مسائل کے بارے میں فیصلے باہمی مشوروں سے کیا کرو''۔

(سبی دربار، بلوچستان، 14 فروری 1948ء)

☆☆☆☆☆☆☆

اسلام:

☆''معاشی احیاء ہو یا سیاسی آزادی اسے آخرالامر زندگی کے کسی گہرے مفہوم پر مبنی ہونا چاہئے اور مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ ہمارے نزدیک زندگی کا وہ گہرا مفہوم اسلام اور روح اسلام ہے''۔

(پیغام عید، 13 نومبر 1939ء)

(طلوع اسلام، ستمبر 1972ء، صفحہ:26)

☆☆☆☆☆☆☆

☆''یہ حقیقت واضح ہو جانی چاہئے کہ مسلم لیگ کسی کو یہ اجازت نہیں دے گی کہ وہ مسلمانوں میں اس قسم کے ہتھکنڈے بروئے کار لائے، ہمارا اوڑھنا بچھونا صرف اسلام ہے، یہاں شیعہ اور سنی تک کا کوئی سوال نہیں، ہم ایک ہیں اور ایک قوم کی طرح حرکت میں آئیں گے، یہی وہ صورت ہے جو حصول پاکستان میں کامیابی سے ہمکنار کرے گی''۔

(پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن، 8 مارچ 1944ء)

(طلوع اسلام، جنوری 1966ء، صفحہ:48)

☆☆☆☆☆☆☆

☆''اسلامی اصولوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔ آج بھی یہ اصول زندگی میں اسی طرح قابلِ نفاذ ہیں جیسے کہ یہ تیرہ سو سال پہلے تھے''۔

(طلوع اسلام، فروری 1959ء، صفحہ:70)

☆☆☆☆☆☆☆

☆''کوئی شبہ نہیں کہ بہت سے لوگ ہمارا مدعا پوری طرح نہیں سمجھتے، جب ہم اسلام کا ذکر کرتے ہیں تو اسلام محض چند عقیدوں، روایتوں اور روحانی تصورات کا مجموعہ نہیں۔

اسلام ہر مسلمان کے لئے ایک ضابطہ بھی ہے جو اسکی زندگی اور کردار کو سیاست اور معیشت تک کے معاملات میں انضباط دیتا ہے''۔

(طلوع اسلام، فروری 1959ء صفحہ:70)

☆☆☆☆☆☆☆

☆''ذات برادری کی تقسیم اور شیعہ سنی کی تفریق ہمیں ایک قوم نہیں بننے دے گی' ان تفریقات کو ختم کر دیجئے۔ یاد رکھئے! ہماری کشتی کا لنگر اور ہماری عمارت کی بنیاد اسلام ہے''۔

(پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن، مارچ 1944ء)

(طلوع اسلام، ستمبر 1972ء، صفحہ 26)

☆☆☆☆☆☆☆

☆''اگر کوئی چیز اچھی ہے تو عین اسلام ہے اگر کوئی چیز اچھی نہیں ہے تو یہ اسلام نہیں ہے' کیونکہ اسلام کا مطلب عین انصاف ہے''۔

(میمن چیمبر آف کامرس' بمبئی، 27 مارچ 1947ء)

☆☆☆☆☆☆☆

☆''پاکستان کا قیام جس کے لئے ہم گذشتہ دس سال سے مسلسل کوشش کر رہے تھے اب خدا کے فضل سے ایک حقیقت ثابتہ بن کر سامنے آچکا ہے' لیکن ہمارے لئے اس آزاد مملکت کا قیام مقصود بالذات نہیں تھا بلکہ ایک عظیم مقصد کے حصول کا ذریعہ تھا۔ ہمارا مقصد یہ تھا کہ ہمیں ایک ایسی مملکت مل جائے جس میں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں اور سانس لے سکیں اور جس میں ہم اپنی روشنی اور ثقافت کے مطابق نشوونما پا سکیں اور جہاں اسلام کے عدلِ عمرانی کے اصول آزادانہ طور پر روبہ عمل لائے جا سکیں''۔

(خالق دیناھال کراچی میں خطاب, 11 اکتوبر 1947ء)

(طلوع اسلام، جنوری 1961ء، صفحہ:21)

☆☆☆☆☆☆☆

☆''اپنے میں حوصلہ پیدا کیجئے' موت سے خوف نہ کھایئے ہمارے مذہب نے یہی سکھایا ہے کہ ہمیشہ موت کے لئے تیار رہنا چاہئے' پاکستان اور اسلام کی عزت بچانے کے لئے ہمیں موت کا مقابلہ بہادری سے کرنا چاہئے' مسلمان کے لئے اس سے بہتر وسیلۂ نجات اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ حق کی خاطر شہید کی موت مرے''۔

(جلسہ عام لاہور، 30 اکتوبر 1947ء)

☆☆☆☆☆☆☆

☆''اسلام ہماری زندگی اور ہمارے وجود کا بنیادی سرچشمہ ہے' اسلام نے ہمارے ثقافتی اور تہذیبی ماضی اور ہماری گذشتہ روایات کو عرب دنیا سے اتنا وابستہ' گہرا اور قریب کر رکھا ہے کہ اس امر میں تو کسی کو شبہ ہی نہیں ہونا چاہئے کہ ہم عربوں اور ان کے مسائل اور مقاصد سے مکمل ترین ہمدردی رکھتے ہیں''۔

(شرقِ اردون کے سفیر کے استقبال پر، 24 دسمبر 1947ء)

☆☆☆☆☆☆☆

☆''ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں''۔

(اسلامیہ کالج پشاور، 13 جنوری 1948ء)

☆☆☆☆☆☆☆

مولانا حافظ غلام مرشد مرحوم
سابق خطیب شاہی مسجد لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گذشتہ سے پیوستہ

علامہ اقبالؒ سے سعادت مندانہ ملاقاتیں

(6) جب گاندھی جی سمیت ہندو اکابر کی فریب کاریوں سے ہندو مسلم اتحاد کا تاج محل زمین بوس ہوگیا۔ اب وہی بزرگ اسی فریب کاری کے محل کا میٹیریل جوتھا۔ شدھی اور سنگھٹن کے تخریب کارانہ اوزار سے ریزہ ریزہ کر رہے تھے اور ملک گیر فسادات کا سلسلہ جاری تھا۔ اس فتنہ پروازی کو مزید فروغ دینے کے لئے ایک طرف ہندو پریس اس ریزہ ریزہ شدہ میٹیریل سے اپنی زمین کو پاک کرنے کے لئے آمادہ کرتا رہتا تھا۔ وہ لگاتار ایڈیٹوریل مسلمانوں کے خلاف لکھتے تھے یہ جو مکے سے آئے ہیں وہ مکے جائیں ان کا ہندوستان میں کیا کام ہے۔ مسلمانوں کا نام انہوں نے ملیچھ قوم رکھا ہوا تھا اور شودروں سے بھی ان کو حقیر تر سمجھتے تھے اور اسی پریس میں ان کے لیڈروں کے زہریلے بیانات اسی قسم کے شائع ہوتے تھے۔ دوسری طرف فتنہ انگیز اشتہاروں، پمفلٹوں اور رسالوں کی شکل میں بے پناہ زور سے پروپیگنڈہ کرنا شروع کیا۔ جن میں سے جن میں سے رنگیلا رسول اور ورتمان وغیرہ کی دل آزارانہ روش کی بدولت انگریز کو ان کی ضبطی کے احکام بھی بادل نخواستہ جاری کرنے پڑے اور پورے پنجاب میں خصوصاً ہندوؤں کے خلاف ایجی ٹیشن غیر منظم طریق پر شروع ہوگیا۔ جس میں مجلس احرار اسلام پیش پیش تھی علامہ اقبال پنجاب کونسل کے ممبر بھی ہو چکے تھے۔ وہ تو کونسل کی ممبری سے قبل بھی ہزار عزت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور بڑے بڑے سرکردہ مسلمان ان کے دربار میں حاضر ہوتے تھے۔ انہوں نے ہندوؤں کی اس دل آزارانہ کتاب رنگیلا رسول اور اس کے خلاف کی گئی غیر منظم ایجی ٹیشن کو کنٹرول کرنے کے لئے معززین کی ایک جماعت کو بلایا۔ جن میں بڑے بڑے سرکردہ خطابات یافتہ وکلاء اور جج صاحبان کے علاوہ علمائے کرام بھی تھے۔ خاکسار کو بھی اس محفل میں شرکت کے لئے بلایا۔ محفل میں حضور ﷺ کی عزت واحترام کو قائم رکھنے کے لئے اور آپ ﷺ کی عزت وناموس پر حملہ کرنے والوں کے خلاف استغاثہ دائر کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ خاکسار نے پوری خاموشی کے ساتھ ان کے اس فیصلے کو سنا مگر آپؒ نے اپنی خاص کرم نوازی سے خاکسار کو کہا کہ بدو صاحب آپ کیوں نہیں بولتے۔ خاکسار نے عرض کیا کہ مجلس مشاورت کے معززین کے احترام کا تقاضا ہے کہ میں کچھ نہ بولوں۔ مگر آپؒ نے اصرار فرمایا کہ آپ کو بولنا پڑے گا۔ خاکسار نے ان کی اور ان کی بلائی ہوئی محفل کا احترام کرتے ہوئے عرض کیا کہ کیا ان بزرگوں اور علمائے کرام نے اس ملعون کتاب کا پوری طرح سے مطالعہ فرما لیا ہے؟ ہندوؤں کی ملعون جماعت کے ملعون نمائندے نے اس کتاب میں بھی بڑی فریب کاری کی ہے۔

کیونکہ اس اس کتاب میں تمام حوالہ جات مسلمانوں کی کتابوں سے دیئے ہیں اور استغاثہ میں آپ بزرگوں کی طرح باقی تین جماعتوں کو جو قانونی طور پر مسلمان کہلاتی ہیں ان کے نمائندوں کے دستخط بھی ہونا چاہئیں۔ ورنہ وہ سرمایہ دار ہندو قوم ان جماعتوں کے مسلمانوں کو صفائی کے طور پر شہادت پیش نہ کردیں۔ اس پر علمائے کرام کچھ ناراض ہوئے کہ ہم تو ان مسلمانوں کافر سمجھتے ہیں خاکسار نے عرض کیا کہ وہ بھی آپ کو کافر سمجھتے ہیں اور یہاں جو اہل حدیث' دیوبندیوں' بریلویوں اور شیعوں کی طرف سے نمائندہ کے طور پر موجود ہیں۔ ان کے خود ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے موجود ہیں۔ آپؒ نے مجھے حکم دیا کہ ابھی استغاثہ ان بزرگوں کے مشورے سے تیار ہوتا ہے جس پر ان کے دستخط ہوں گے آپ ان جماعتوں کے نمائندوں کے دستخط خود کرائیں۔ خاکسار نے ہامی بھر لی' چنانچہ خاکسار نے اس تیار شدہ استغاثے پر لاہوری جماعت کے امیر مولانا محمد علی اور قادیانی جماعت کے مرزا بشیر الدین اور چکڑالوی جماعت کے مولانا چشمت علی سے بڑی آسانی سے دستخط کروائے۔ اس طرح استغاثہ مکمل ہو کر اس دور کے مروجہ طریق کار کے مطابق مسٹر فیل بوتھ (اینگلو انڈین) مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش ہوا۔ استغاثہ دائر ہونے کے بعد اس استغاثے کے بارے میں کئی دفعہ شرف باریابی حاصل ہوا۔ اور وہ حضور اکرم کی محبت میں پوری طرح مست ہو کر زار و قطار روتے تھے۔ میں نے عرض کیا'' آپ غیر معصوم بزرگوں کی تحریروں سے متاثر ہو کر کب تک آنسو بہاتے رہیں گے۔ یہ تو آوے کا آوا ہی خراب ہے۔ آپ کا فرض تھا جو اس ملعون مصنف کے خلاف استغاثہ دائر کر دیا اب فیصلہ کرنا عدالت کا کام ہے اور معجز نمائی کرنا خدا کا کام ہے''۔ استغاثے کی طرف سے شیخ محمد نصیب ایڈووکیٹ کو منتخب کیا گیا۔ آپؒ کے حکم اور اصرار پر خاکسار نے عرض کیا کہ وکیل صاحب کا دل بھی حضور کی عزت و احترام سے بھرا ہوا ہے۔ ملعون راجپال نے اپنی صفائی کا بیان دیتے ہوئے یہ کہا کہ میں نے اس کتاب میں تو اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا۔ مسلمانوں کی مستند کتابوں کے حوالے دیئے ہیں اور صفائی کے گواہوں کی فہرست پیش کی جن میں سب سے زیادہ معزز گواہ اس نے پنڈت رام چندر دہلوی کو بنایا اس کے لاہور اسٹیشن پہنچنے پر ہندو زعما نے اس کا بڑی عزت سے استقبال کیا دوسرے دن اس کی شہادت ہونی تھی۔ شیخ محمد نصیب صاحب گورداسپوی نے علامہ رحمۃ اللہ کے حکم کے مطابق رات کا بیشتر حصہ اس مقدمے کی روئیداد کے بڑے بڑے حصوں کو میرے سامنے پیش کرنے میں گزارا اور صفائی کے گواہوں پر جرح کرنے کے وجوہ دریافت کئے خاکسار نے ان سے عرض کیا کہ آپ حضور ﷺ کے عشق میں مست ہو کر یہ بات کہہ رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ آپ کے اس عشق و محبت کو قائم رکھے لیکن جرح کے وجوہ تو صفائی کی شہادتوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ آپ پہلے ہی کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟ چنانچہ دوسرے دن شیخ محمد نصیب صاحب کے ساتھ خاکسار بھی اجازت لے کر عدالت میں پیش ہوا۔ عدالت نے اپنی روٹین کے مطابق کارروائی شروع کی۔ پنڈت رام چندر نے شہادت شروع کرنے سے قبل اپنے تعارف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے خاکسار نے ان کو چٹ پر لکھ کر یہ سوال دیا کہ آپ بتائیں کہ تمام مسلمان فرقوں کی مستند مسلم کتاب کون سی ہے۔ اس پر خدا کی طرف سے اس زبان سے عدالت کے سامنے یہ لفظ نکلوا دیا کہ تمام فرقوں کی

مستند کتاب قرآن ہے اور عدالت نے یہ الفاظ ریکارڈ کر لئے ضمنی سوالات شیخ محمد نصیب صاحب کی طرف سے میں نے چٹ لکھ کر یہ کروائے کہ مسلمانوں کی مستند کتابیں تو بہت سی ہیں جن میں سے بعض کے حوالے رنگیلا رسول میں موجود ہیں۔ لیکن دوسرے فرقے انہیں مستند نہیں مانتے تمام فرقوں کی مستند کتاب صرف قرآن ہے عدالت نے یہ جواب بھی ریکارڈ کر لیا۔ تیسرا یہ سوال چٹ پر لکھ کر ان کے حوالے کیا کہ یہ رنگیلا رسول اور یہ قرآن پاک ہے۔ آپ ثابت کریں کہ اس مستند کتاب میں یہ لغو اور لچر باتیں موجود ہیں۔ پھر بھی اس کی زبان سے خدا نے نکلوا دیا کہ اس کی پہلی سطر سے آخری سطر تک کسی آیت میں ان الزامات میں سے کسی ایک الزام کا بھی ذکر نہیں۔ خدا کی اس معجز نمائی کے نتیجے میں عدالت نے راج پال کو مجرم قرار دیا اور چھ ماہ کی سزا دی یہ تھا ایک ملاقات کا پس منظر۔

دوسرے دن جہاں ہندو اخباروں نے اس فیصلے کو شائع کیا۔ وہاں خاکسار کے خلاف جو کچھ وہ لکھ سکتے تھے انہوں نے لکھا وہاں مسلمانوں میں سے محترم سید حبیب صاحب نے اپنے اخبار سیاست میں بھی مجھ پر اپنی کرم نوازی کے پھول برسانے میں کمی نہ کی اور خاکسار کو چکڑالوی کے لقب سے نوازا۔ چنانچہ یہ زریں اخبار علامہؒ کے مطالعہ میں آیا۔ تو آپ نے اپنے معزز نمائندے کے ذریعے مجھے کہلا بھیجا اور اس فیصلے پر ان کو بے پناہ مسرت حاصل ہوئی تھی۔ سید صاحب کی گل فشانی اور ذرہ نوازی پر فرمایا کہ ہمیشہ سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ حق گوئی کے بدلے میں بیگانوں نے بڑھ کر اپنے لعنت کے تیر برساتے ہیں۔ دستور کے مطابق ان فریب کار سرمایہ دار ہندوؤں کے ایجنٹ کی طرف سے ہائی کورٹ میں اپیل کی گئی اور غیر مسلم بنچ نے راج پال کو بری کر دیا۔ اس کے بری ہونے پر پھر ایجی ٹیشن شروع ہو گیا۔ اس دوران میں ایک غریب طبقے کے مسلمان نے حضور ﷺ کی عزت و احترام سے بھرپور ہو کر ملعون راج پال کو دن دہاڑے اس کی دکان پر قتل کر دیا۔ اس نوجوان کا نام علم الدین تھا۔ چالان ہوا مگر وہ عاشق رسول ﷺ ابتدائی عدالت سے لے کر عدالت عالیہ تک راج پال کے قتل کے الزام کو صحیح تسلیم کرتا رہا۔ نہ اپنے بے سہارا رشتہ داروں کی بے چارگی سے متاثر ہوا اور نہ اکابر سے اکابر ترین وزرا کے مشوروں کی پروا کی۔ بالآخر 1929ء میں میانوالی جیل میں پھانسی کی شکل میں سزا پائی مسلمانوں کا اصرار تھا کہ اس کی لاش کو لاہور لایا جائے۔ مگر پنجاب کی سرکار کو نقض امن کا شدید ترین خطرہ تھا مگر سر میاں شفیع مرحوم نے اپنی ذاتی ضمانت کی بنا پر گورنر کے دل میں جو خطرہ تھا اسے دور کر دیا اور وہ اپنی اس ذاتی کوشش میں کامیاب ہوئے۔ شہید علم الدین کی میت پوری شان و شوکت اور عزت و احترام اور پورے امن و امان کے ساتھ قبرستان میانی میں دفن کر دی جو اب تک زیارت گاہ خواص و عوام ہے۔

(7) علم الدین شہید کی تدفین کے بعد علامہ اقبالؒ نے اپنے تاریخی خطبات کی ترتیب و تدوین کے سلسلے میں کئی بار خاکسار کو نہ صرف اپنی ملاقات کا شرف بخشا بلکہ ان کے بعض حصے منانے سے بھی عزت افزائی فرمائی اور حضرت امام اعظمؒ کے طریق استحسان کی کچھ تفصیلات' ماہیت' کیفیت' کمیت اور حالات کا جو ہمیشہ بدلتے رہتے۔ کوئی متعین ضابطہ نہیں مقرر فرمایا

مثال کے طور پر آپ (سورۃ نمبر:42 کی آیت نمبر:40) ملاحظہ فرمائیں اور اس کے ساتھ مجلس شوریٰ کو ہر دور میں بدلے ہوئے حالات کے ماتحت قائم رکھنے کا حکم دیا (سورۃ نمبر:42 آیت نمبر:38 پارہ:25 رکوع:5 اور سورۃ نمبر:3 کی آیت نمبر: 158 پارہ:4 رکوع:8) میں حضور اکرم ﷺ کو ان میں بے حد دیانت دار اور قرآن شناس مجلس شوریٰ سے مشورہ لینے کا حکم دیا اور جنگ بدر سے لے کر حجۃ الوداع تک اس معزز مجلس شوریٰ سے مشورہ لیتے رہے اور ان کی بار بار شاباش لینے سے خاکسار کو اپنی تعلیم کو اور زیادہ مکمل کرنے کا موقع ملا۔ ان ملاقاتوں کے علاوہ اہم ترین ملاقات وہ ہے۔ جو اشاعت اسلام کالج کے نام سے انجمن جماعت اسلام کی تاریخ میں موجود ہے۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ وائسرائے کی کونسل کے معزز ممبر سید غلام بھیک نیرنگ نے شدھی ارسنگھٹن کی تحریک کو بے اثر بنانے کے لئے تبلیغ کی ایک انجمن انبالہ میں قائم کی اور علامہ کے سامنے عرض کیا کہ ان قدیم درس گاہوں کے سند یافتہ لوگ اس مردود تحریک یعنی شدھی کو ختم نہیں کر سکتے۔ اس تحریک کے ہشیار پنڈتوں نے رنگیلا رسول ایسی ملعون کتابیں جو لکھی تھیں اور یورپ کے مستشرقین نے جو دل آزار کتابیں لکھی تھیں ان سے کام لے کر ان کی پیش کی گئی ہوئی حدیثوں کو پیش کرتے ہیں اور ہمارے بزرگ انہیں تسلیم کر کے قسم قسم کی تاویلیں کرتے ہیں۔ جو الٹا عام مسلمانوں کے شکوک میں اضافے کا موجب ہوتی ہیں۔ ان کی انجمن کے دل خراش نتائج سن کر ان سے اشاعت اسلام کالج قائم کرنے کا وعدہ فرمایا اور انجمن حمایت اسلام کے معزز اراکین کو اس پر آمادہ کیا اور خاکسار کی یہ ڈیوٹی لگائی کہ جن آیتوں کی آڑ میں ہمارے مفسرین نے احادیث جمع کی ہیں۔ جن کی آڑ لے کر غیر مسلم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اور ان کے قرآن سے لوگوں کو متنفر کرتے ہیں۔ تمہارا یہ فرض ہے کہ اشاعت اسلام کالج کے ایک اعزازی وائس پرنسپل کی حیثیت سے اپنا درس انہیں آیتوں میں محدود کرو اور ان احادیث کے متعلق طلبہ کو صحیح اور تسلی بخش جواب دینے کی تربیت دو۔ چنانچہ ۱۹۳۲ء میں وہ کالج قائم ہو گیا۔ جو قرارداد پاکستان کے بعد تقریباً 1944ء تک جاری رہا 1943-1944ء میں اس کالج کو انجمن نے بند کر دیا۔ اس کالج میں بڑے اچھے ذہین طلبہ داخل ہوئے جو جدید تعلیم کی رو سے کم از کم فرسٹ ڈویژن میٹرک پاس ہوتے تھے۔ ان کو داخلہ دیا جاتا تھا۔ ان میں سے مرزا عبدالحمید مرحوم جو پاکستان بننے کے بعد اوکاڑہ کالج کے پرنسپل ہوئے اور صدر ایوب خان کے دور میں ان کے مذہبی مشیر رہے دوسرے مولانا عبدالستار نیازی جو اب تک اللہ کے فضل و کرم سے موجود ہیں۔ اسی طرح دوسرے بزرگ بھی تھے۔ اس کالج کے اس وقت پرنسپل حضرت یوسف سلیم چشتی تھے۔ جنہیں نے بعد میں مولوی فاضل کی سند پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کی یہ بھی خدا کے فضل و کرم سے اب تک زندہ ہیں اس سلسلے میں میں نے اس سات سال میں نہ صرف غیر مسلموں کا لٹریچر بلکہ اپنے بڑے بڑے مفسرین کرام کی اردو، فارسی اور عربی میں تفسیریں بھی دیکھیں اور مشہور مناظر مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم اور مرزا غلام احمد قادیانی کا وہ لٹریچر بھی پورے غور کے ساتھ دیکھا جو انہوں نے گستاخ پادریوں اور پنڈتوں کے جواب میں لکھا تھا۔ خاکسار نے ان تمام آیات کا جو خاکسار کی نظر میں صحیح ترجمہ تھا وہ بیان کر دیا اور قابل صد احترام مفسرین نے ان کے متعلق جو گل فشانیاں فرمائی تھیں ان کے وہ پھول ان کی قبروں میں دفنا

دیئے اور یہی کہا کہ خدا تمہاری مغفرت کرے۔ نمونے طور پر حضور ﷺ کے سیرت نگاروں نے جو ہولناک واقعہ درج فرمایا ہے۔ اور جس کی آڑ لے کر غیر مسلموں نے جو بکواس کرنی تھی وہ سب کی۔ اس واقعہ کا نام ''امک'' ہے ہمارے بزرگوں نے (سورۃ نمبر:34 آیت نمبر 11 تا 26) ان سولہ آیات کے ذیل میں اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ درج فرمایا ہے۔ لیکن میں نے ان بزرگوں کو خود یہ ہولناک واقعہ بیان کرتے ہوئے دیکھا کہ زار و قطار رو رہے تھے۔ خاکسار نے اشاعت اسلام کالج کے سامنے اور پھر علامہ اقبالؒ کے روبرو ان سولہ آیتوں کو پیش کیا اور عرض کیا کہ ان میں سے کون سی آیت ہے جس کا اس واقعہ حائلہ سے ہے۔ ان آیتوں میں نہ اس جنگ کا ذکر ہے۔ جس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ یہ واقعہ اس جنگ میں پیش آیا اور حضرت عائشہ صدیقہؓ تو کجا امہات المومنین میں سے کسی کا ذکر تک نہیں، ہاں؛ گیارھویں آیت میں لفظ ''امک'' کا ذکر ہے لیکن امک کا لفظ کوئی اسی آیت سے مخصوص نہیں ہے اور بھی کئی جگہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے جو اپنی ستارہ پرست قوم کے ساتھ مذاکرہ کیا اس مذاکرے میں بھی اس لفظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ جو کہ ان جھوٹے معبودوں اور من گھڑت فرضی داستانوں کی وجہ سے پوجے جاتے تھے۔ انہیں بھی 'امک، کہا ہے۔) سورۃ نمبر:37 آیت نمبر:86 پارہ:23 رکوع:7) اسی لفظ کے متعلقات 'افاک' من گھڑت جھوٹی خبریں گھڑنے والے کو کہا ہے اور وہ بستیاں جو ایک ناقابل ذکر بے حیائی اور بدکاری کی من گھڑت خبروں کی وجہ سے الٹا دی گئی تھیں۔ ان کو موتفکات' کہا گیا ہے۔ (سورۃ نمبر:9 آیت نمبر:60 پارہ:10 رکوع:15) اسی لفظ کا مضارع اور ماضی مجہول کی شکل میں قرآن میں استعمال ہوا ہے گو ان لوگوں کو کہا گیا ہے۔ جو اپنے من گھڑت عقائد کی وجہ سے قرآنی ہدایات سے منحرف ہو کر ان ہدایات کو پیش کرنے والوں کیلئے ہے۔ یہ لفظ کوئی زنا کی تہمت کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ (سورۃ نمبر:51، آیت نمبر:9، پارہ:26، رکوع:18) اور اسی (سورۃ نمبر:34، آیت نمبر: 22، پارہ:18، رکوع:8) میں یہ اعلان فرمایا کہ اس قسم کے لغو لچر اور بے ہودہ باتیں سنتے ہی کہہ دینا یہ من گھڑت جھوٹ ہے اور سورۃ نمبر:13 میں اعلان فرمایا کہ اس قسم کی غلط بیانیوں اور من گھڑت باتوں کے ثبوت میں جب تک وہ مکار فریب کار لوگ عدالت میں حاضر ہو کر شہادت نہ پیش کر سکیں تو انہیں بہتان تراشی کی سزا ملنی چاہیے۔ ورنہ وہ خدا کے قانون کی نظر میں جھوٹے ہیں۔ اسی کا تذکرہ اسی سورۃ کے ساتویں رکوع کی آیت 4 میں اس کو سنگین جرم قرار دیا۔ اور (80) اسی کوڑوں کی سزا مقرر کی اور یہ بھی اعلان فرما دیا کہ ایسے لوگوں کی کسی دوسرے مقدمے میں بھی شہادت قبول نہ کی جائے اور اسی سورۃ کی آیت نمبر 16 میں اعلان فرمایا کہ جس خبر کی معصوم نبیؐ معصوم قرآن اور معصوم قرآن بھیجنے والے خدا پر زد پڑتی ہو۔ اور ان کی عصمت کے متعلق شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہوں، مسلمانوں کو حکم دیا کہ تمہیں ایسی لچر خبر سنتے ہی بغیر کسی تفتیش کے یہ کہہ دینا چاہیے۔ ''ہذا بہتان عظیم''، اور تمہیں اسے آگے نہیں پھیلانا چاہیے لہذا 'افک کے مسئلے کی بنیاد ہی غلط ہے نہ لغت اس کی تائید کرتی ہے نہ قرآن۔

نمونے کے طور پر ایک حدیث حضور ﷺ، قرآن کی آخری دو سورتوں کو مفسرین کرام نے عموماً صحیح بخاری و مسلم کی ایک حدیث کی آڑ لے کر یہ ارشاد فرمایا کہ آپ ﷺ پر ایک یہودی نے بہت بڑا جادو کیا۔ جس سے آپ ﷺ مسحور ہو گئے۔ یہاں

تک کہ آپ خاکم بدہن اس جادو سے اتنے متاثر ہوئے کہ آپ خیال کرنے تھے کہ آپ نے ایک کام کیا ہے حالانکہ وہ کام آپ نے نہیں کیا ہوتا تھا یا خاکم بدہن آپ جادوزدہ ہوکر اس یہودی کے جادو سے متاثر ہوکر یہ خیال فرماتے تھے کہ آپ ﷺ نے فلاں کام نہیں کیا حالانکہ وہ کام آپ نے سیکڑوں آدمیوں کے سامنے کیا ہوا ہوتا تھا اور اسی کارکردگی سے غلامان محمد ﷺ کے دلوں میں آپ کی بے پناہ الفت پیدا کرنے کے لئے ان دونوں سورتوں کو جو حقیقت میں مکی ہیں مدنی بنا کر پیش کیا۔ حالانکہ قرآن پاک نے آپ ﷺ کے بدترین دشمنوں کے لگائے ہوئے الزاموں کی تردید کی۔ اسی طرح یہ تردید بھی فرمائی آپ ﷺ نہ ساحر تھے نہ مسحور۔ ان کی ان الزام تراشیوں سے قرآن بھرا پڑا ہے (سورۃ نمبر: 25، آیت: 8، پارہ: 18، رکوع: 16؛ سورۃ نمبر: 17، آیت نمبر: 46، پارہ: 15، رکوع: 5)

قرآن حکیم میں اس قسم کی جتنی آیات ہیں جن کی علامہ اقبالؒ نے نشان دہی کی یا طلبہ نے مفسرین کی تفسیریں پڑھ کر اپنے شکوک کا اظہار فرمایا اور خاکسار نے ان تمام شکوک کا ازالہ کیا' علامہ اقبالؒ اس سے بے حد خوش ہوئے اس سلسلے میں ہمیشہ طلبہ اور پرنسپل صاحب بڑی عقیدت مندی سے ان سے ہر روز ملتے تھے اور آپ کی محفل میں اسی موضوع پر بحثیں ہوتی تھی۔ ایک دفعہ (سورۃ نمبر: 80، آیت نمبر: 1 تا 12) قرآن کریم کو منگوا کر اور سامنے رکھ کر ان کا ترجمہ فرما کر حکم دیا کہ ان کے مشہور ترجموں اور تفسیروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک دن حضور ﷺ روسائے قریش کو پیغام خداوندی پہنچا رہے تھے۔ تو اتنے میں ابن ام مکتوم آ گئے اور انہوں نے آپ کی توجہ کو اپنی طرف پھیرنا چاہا جسے حضور ﷺ نے ناپسند کیا۔ خاکم بدہن خدا تعالیٰ نے اس ناپسندیدگی پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ خاکسار نے عرض کیا۔ اس سورۃ کی آیتوں میں سے چند آیتوں میں ضمیر غائب کا مرجع مفسرین نے حضور ﷺ کی ذات گرامی کو بنا دیا اور پھر جو ان میں خطابات کے صیغے ہیں۔ ان کا مخاطب حضور ﷺ بنا دیا تو قصہ بن گیا۔ خاکسار نے عرض کیا کہ آپ بتائیں کہ اس سورۃ کی کسی آیت میں حضور کے نام یا لقب کا تذکرہ ہے۔ فرمایا کہ نہیں تو خاکسار نے عرض کی کیا کہ پھر حضور ﷺ کو اس کا مصداق کس دلیل پر ٹھہرایا گیا برا منایا منہ پھیر لیا۔ آخر کس سے؟ دراصل ان غائب ضمیروں کا مرجع (سورۃ نمبر: 69 آیت نمبر: 37-38-43 و 46) دین فروش اور زر پرست انسانوں کا تذکرہ ہے اور یہ غائب ضمیریں انہیں شخصوں کی طرف جاتی ہیں ایسے لوگ بے کس مزدوروں جو حق کی تلاش میں ان کے پاس آتے ہیں۔ ان کا آنا ان کو یعنی روسا کو ناگوار گزرتا تھا اور مخاطب بھی وہی ہیں اور ان میں عبوس تولیٰ' تصدی اور تلہی کے جو افعال آئے ہیں۔ حضور ﷺ تو نسل انسانی کو ان قبیح افعال سے روکتے ہیں اور خاکم بدہن یہی افعال آپ ﷺ میں موجود تھے' عبوس' کے معنی ہیں ترشروئی' سختی سے پیش آنا' تولی کے معنی روگردانی' منہ موڑنا' تصدی' لایعنی بات کرنا اور تلہی کسی کا مذاق اڑانا' فعل کو دیکھ کر فاعل متعین کیا جاتا ہے۔ یہ افعال تو حضور ﷺ کے دشمنوں اور کافروں کے تھے۔ جنہیں حضور ﷺ روکنے کیلئے آئے تھے۔ چنانچہ بدترین کافروں کے اوصاف یہ بیان کئے ہیں کہ وہ قرآن کریم کو سن کر شیوریاں چڑھاتے ہیں اور پھر پیٹھ پھیر جاتے ہیں۔ اور اپنے تکبر میں مست ہوکر حق پرستوں کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں (سورۃ نمبر:

74، آیت نمبر: 22-23، پارہ: 29، رکوع: 15) خاکسار نے عرض کیا اس کی تفسیر ہمارے ایک پنجابی شاعر نے کی ہے۔

جتھے ویکھن چنگا چوکھا پڑھن کلام سوائی ہو جتھے ویکھن دال تے روٹی حرف نہ آوے کائی ہو

☆☆☆

دوئیں جہاناں مٹھے باہو جنہاں ویچ کھادی کمائی ہو

خاکسار نے گزارش کی کہ انہیں گیارہ آیتوں کے بعد بارھویں آیت میں فرمایا کہ تمہیں ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہیے یہ میری انمٹ ہدایتیں اور ناقابل تردید صداقتیں نسل انسانی کے لئے بڑی عظیم الشان نصیحتیں ہیں' غریب امیر جو نصیحت حاصل کرنا چاہیں انہیں یکساں مواقع حاصل ہیں۔ پھر ہمارے بزرگوں نے حضرت ابن ام مکتوم کو حق بجانب ٹھہرانے کے لئے ان کے نابینا ہونے کا عذر پیش کیا۔ میں نے عرض کیا۔ کہ حضور ﷺ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ گفتگو سننے کا تعلق آنکھوں سے نہیں۔ ان بزرگوں کو چاہیے کہ ان کے نابینا ہونے پر زور نہ دیتے بلکہ ان کے بہرہ ہونے پر زور دیتے۔ اس گفتگو کے بعد یہ مجلس برخاست ہوئی۔

(8) سرکار دو عالم ﷺ کی بے مثل عصمت کے متعلق ڈاکٹر اقبالؒ کو معلومات بہت تھی۔ لیکن جب سید غلام بھیک نیرنگ مرحوم و مغفور انبالوی نے ہندوؤں کی جارحانہ تحریک شدھی کو خطرناک فتنہ ارتداد کی بدترین شکل میں دیکھا اور ہمہ تن اس کا مقابلہ کرنے کیلئے دعوت التبلیغ کے نام سے انبالہ میں میں انجمن قائم کی۔ اور چند مہینے پرخلوص کام کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ ہندوؤں کی جارحانہ شدھی کی بنیاد مفسرین' محدثین اور مورخین کو وہ غلط روایات ہیں جو قرآن کریم میں پیش کی ہوئی انمٹ صداقتوں اور ناقابل تردید حقائق سے تغافل برتتے ہوئے نہ صرف اپنی مصنفہ کتابوں میں درج کرلیں۔ بلکہ انہیں قرآن کی شکل میں پیش کیا اور نیرنگ صاحب کی مخلصانہ مساعی کو تقویت دینے کیلئے انجمن حمایت اسلام لاہور کی جنرل کونسل کو اشاعت اسلام کالج کے نام پر ایک کالج قائم کرنے پر آمادہ کرلیا اس کالج کا اہم ترین موضوع یہی تھا کہ قرآن پاک کی جن آیتوں کے ذیل میں اس قسم کی روایتیں درج کی گئی ہیں ان کا قلع قمع کیا جائے۔ اس لئے کہ صحابہ کرام کے سمیت نہ تو وہ مصنفین کرام معصوم ہیں اور نہ حدیثوں کی روایت کرنے والے معصوم ہیں۔ بڑے سے بڑے راوی کی حیثیت محض ایک غیر معصوم شہادت کی ہے۔ اور ان غیر معصوم راویوں کی شہادت پر جن بزرگ مصنفین نے فیصلے فرمائے ہیں وہ بھی غیر معصوم ہیں۔ لہذا حضور اکرم ﷺ کی ناقابل تردید عصمت کا فیصلہ کیا ہے اور اسی قطعی عصمت کو ان کی نبوت اور رسالت کی بنیاد قرار دیا ہے۔ چند مثالیں انسان کی رہنمائی کے لئے کافی ہیں۔

سورۃ نمبر: 96 کی پہلی تین آیتوں کو عام طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ سب سے پہلے قرآن میں نازل ہوئیں۔ لیکن ہمارے بڑے جلیل القدر بزرگوں نے ایک ایسی روایت کو اس کی تفسیر میں درج کردیا کہ غار ثور میں جب جبرئیلؑ خدا کی طرف سے یہ پانچ آیتیں لے کر نازل ہوئے تو آپ ﷺ کی حالت معاذ اللہ اتنی غیر ہوئی کہ ہزاروں مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے گھر

پہنچے اور گھر والوں کو حکم دیا کہ مجھ پر لحاف ڈالو۔ میری حالت غیر ہوگئی۔ چنانچہ اس تبدیلی حالات کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے اس زمانے کے ایک علم دوست ورقہ بن نوفل نے آپ ﷺ کی تشخیص کے بعد آپ ﷺ کو اطمینان دلایا کہ آپ بیمار نہیں ہیں۔ آپ ﷺ کو خدا نے اپنے کلام سے نوازا ہے۔ دیکھنے کی چیز یہ کہ 96 (چھیانوے) نمبر سورۃ ان پانچ پہلی آیتوں میں کسی ہولناک خبر کا وجود نہیں۔

سورۃ نمبر: 93 (ترانوے) میں کی ایک آیت نمبر سات اور آٹھ پہلے تو ہمارے بزرگوں نے یہ ترجمہ فرمایا اور حضور ﷺ کی عزت واحترام کا شرف حاصل کیا اور مسلمانوں کو خدا کی کرم نوازی سے آگاہ فرمایا۔ لیکن تیسری آیت کا ترجمہ یوں فرمایا کہ تو گمراہ تھا۔ تجھے سیدھی راہ پر میں نے لگایا اور تم تنگ دست تھے خدا نے تمہیں مالدار بنا دیا۔ یہ حقیقت ہے کہ لفظ ''ضال'' کو عربی زبان میں اور قرآن کریم میں کئی معنوں میں استعمال کیا۔ کسی چیز کی محبت میں زیادہ منہمک ہونے کو بھی ''ضال'' کہتے ہیں اور کسی ضروری چیز سے بے خبر ہونے والے کو بھی ''ضال'' کہتے ہیں۔ اسی 93 نمبر کی سورت کی تیسری آیت میں رسول اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میری مدد سے تم کبھی محروم نہیں ہوگے اور نہ کبھی ناراض ہوگے۔ یہاں ایک سیدھی سادی چیز کو ایک کہانی کی شکل میں بیان فرمایا کہ حضور ﷺ دو تین رات بیمار ہوگئے۔ اور تہجد کیلئے مسجد حرام میں نہ جا سکے۔ ایک خبیث عورت نے کہا۔ (معاذ اللہ) جسے تم خدا کہتے ہو اس شیطان نے تمہاری حمایت چھوڑ دی ہے۔ حالانکہ تہجد کے لئے جاگنا' مسجد حرام میں نہ جانا' اور خدا کی ناراضگی میں کوئی تلازم نہیں ہے۔ نہ قرآن کے نزول کے متعلق وہ یہ بکواس کر سکتی ہے۔ کیونکہ قرآن تو وقفوں کے بعد اترا ہے۔ (سورۃ نمبر: 25، آیت نمبر: 32، پارہ: 19 رکوع پہلا)۔

علامہ اقبالؒ اشاعت اسلام کالج کے نصاب کو پایہ تکمیل تک پہنچانے پر بار بار اصرار فرماتے تھے نیرنگ صاحب کی رپورٹ سے قبل مستشرقین کی لکھی ہوئی کتابیں ازبر کئے ہوئے تھے۔ سید صاحب کی ناکامی نے جلتی پر تیل ڈال دیا خاکسار یہ معذرت کرتا ہوا کہ ان کے اعتراضات کے جوابات کا سلسلہ خود مسلمانوں کی مستند کتابوں سے حرف گیری کے بغیر نجات مشکل ہے۔ اور جن کتابوں کی عدم موجودگی میں نہ صرف عربوں نے خدا کی انمٹ حقیقتوں کو رسول اکرم ﷺ کی پہلی چالیس سالہ زندگی کے آئینے میں دیکھ کر سمجھ لیا تھا اور عربوں کے سوا جو لوگ حق کے متلاشی تھے۔ انہوں نے بھی ان ناقابل تردید صداقتوں پر یقین کامل حاصل کر لیا تھا اور جس انمٹ مکمل مفصل کتاب کو دنیا کے سامنے پیش کیا اسے خود قرآن کریم نے بار بار ''الکتاب المبین'' کہا ہے اور اسی قرآن حکیم کا انمٹ ہدایتوں اور ناقابل تردید صداقتوں کو تبیان لکل شئ کا لقب عطا فرمایا ہے۔ آخر حضور ﷺ کے وصال کے بعد کونسی ناقابل حل مشکلات (خاکم بدہن) پیدا ہوگئیں۔ جن کے سمجھنے کے لئے حضرت امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری مرتب کرنے سے پہلے خود چھ لاکھ حدیثوں کا ذخیرہ جمع کر لیا۔ جن میں سے ان کے اعتقاد کے مطابق روایتاً' قانوناً و درایت کی رو سے صحیح ترین روایتیں تکرار احادیث کو نظر انداز کرنے کے بعد تقریباً پانچ ہزار بمشکل بنتی ہیں۔ اسی قانون درایت کی اتباع کرتے ہوئے آپ کی زندگی ہی میں ان کی تعداد بڑھ گئی اور جو روایات کی تنقید کی بنیاد آپ نے رکھی

تھی۔ اسے بالکل نظر انداز کر دیا گیا اور خوابوں اور کشفوں کے نام ان کی منتخب احادیث پر اپنی عقیدت مندی کی بناء پر کل روایات کی تنقید سے اجتناب کیا۔ جو صریحاً قرآن کریم کی انمٹ ہدایتوں کی روشنی میں عام انسان کے خلاف نظر آتی ہیں اور مفسرین کرام نے محض عقیدت مندی کی بنا پر انہیں قرآن کریم کی تفسیر قرار دیا۔ ان عظیم ترین بزرگوں نے خود جن احادیث کو صحیح مانتے ہوئے ظنی قرار دیا تھا۔ الٹا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت نے جس قانون درایت کی رو سے ان اقوال و افعال کو محدثین نے حضور کی طرف یا صحابہ کرام کی طرف منسوب کئے یا نیکوکار تابعین کی طرف منسوب کئے تھے۔ کے پرکھنے کا معیار قرآن کریم کو قرار دیا تھا اور یہ اعلان فرما دیا تھا کہ گو ویسی بے ضرر احادیث جو حضور ﷺ کی طرف نسبت کی وجہ سے احادیث مرفوعہ اور صحابہ کرامؓ کی طرف نسبت کی رو سے جن کو احادیث موقوفہ اور نیکوکار تابعین کی طرف منسوب کردہ کی وجہ سے احادیث مقطوعہ کہا جا سکتا ہے اور ان کی صحت تسلیم کی جا سکتی ہے لیکن ان میں سے کوئی قرآن کی طرح یقینی نہیں ہے۔ الٹا امام اعظم پر برسنا شروع کر دیا اور ان پر ایسے اعتراضات کرنے شروع کر دیئے جن کے لکھنے سے بھی شرم آتی ہے۔

حالیؔ نے کیا خوب کہا ہے:

جگر جس سے شق ہو وہ تحریر کرنی

چنانچہ اس پر علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ ایسی ناگفتہ بہ جرح و تنقید کی اگر کسی کو جرأت ہے تو وہ محدثین کرام میں سے خطیب بغدادی کی کتاب پڑھیں جو کئی جلدوں میں ہے اور حکم دیا کہ تم اپنا کام جلدی مکمل کرو۔ خاکسار نے ان کی خدمت میں ایک ہفتے کے بعد حاضر ہو کر اس قسم کی تحریر پیش کی۔ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت' استعارات و کنایات جس کے سامنے بڑے بڑے فصاحت اور بلاغت پر گھمنڈ کرنے والوں کو گھٹنے ٹیکنے پڑے اور اسے دوام بخشنے کے لئے خود قرآن کریم کی دس سورتوں کے برابر اپنا فصیح و بلیغ کلام پیش کریں اور جن مخالفین کی امداد کی توقع رکھتے ہیں ان سے بھی بھرپور امداد لیں ورنہ اس قسم کی افترا پردازیوں سے باز آ جائیں۔ (سورۃ نمبر:11، آیت نمبر:13-14، پارہ نمبر:12، رکوع نمبر:2) اور یہ بھی اعلان فرمایا کہ قرآن کریم کے تمام مخالفین ایک دوسرے کے زبردست پشت پناہ ہو کر اپنی طرف سے ایسا فصیح و بلیغ کلام پیش کریں اور یہ بھی اعلان کر دیا کہ وہ کبھی ایسا نہیں کر سکیں گے (سورۃ نمبر ستر ہ، آیت نمبر:88، پارہ:15، رکوع:10) قرآن کریم کے ان اعلانوں کے سلسلے میں یہ اعلان بھی نوٹ کر لیں کہ تمام مخالفین قرآن پوری طاقت صرف کر کے بھی قرآن جیسی فصیح و بلیغ ایک سورۃ بھی پیش نہیں کر سکیں گے اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان کر دیا کہ ان دونوں کلاموں یعنی اس قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت اور تمہارے خود ساختہ فصیح و بلیغ کلام میں فیصلہ دینے کے لئے تم اپنی طرف ہی سے جج مقرر کر دو۔ (سورۃ:2، آیت نمبر:23، پارہ ایک، رکوع:3)

علامہ سکاکی ابویعقوب یوسف نے عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کے سلسلے میں ان عرق ریزیوں سے کام لیا کہ ان کی کتاب عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کی ایک معیاری کتاب ''المفتاح'' کے نام سے دنیا میں موجود ہے۔ اس کتاب کو کچھ

اختصار کے ساتھ علامہ محمد بن عبدالرحمن قزوینی جامعہ دمشق کے خطیب نے تلخیص کے نام سے کتاب لکھی جس کی دو بڑی شرحیں علامہ تفتازانی (متوفی 791ھ) نے لکھیں۔ جن میں سے ایک مولوں عالم کے نصاب میں مختصر المعانی اور دوسری شرح المطول جو مولوی فاضل کے نصاب میں داخل ہے۔ اس کتب ''تلخیص المفتاح'' میں فصاحت و بلاغت کے کئی مسائل ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ کیا فصیح و بلیغ عربی زبان خصوصاً قرآن کریم جیسا بے مثل فصیح و بلیغ کلام الہیٰ' مجاز لغوی اور مجاز عقلی' کلام کی فصاحت اور بلاغت میں اضافہ کا موجب ہے اور یہ مجاز و استعارہ' کنایہ تشبیہہ اس کلام کی فصاحت کو چار چاند لگاتا ہے۔ اعجاز العقلی فی القرآن کثیر۔ ہاں اس فعل میں مجاز عقلی کے لئے ضروری ہے۔ جو ظاہری نسبت روکنے کا موجب ہوتا ہے۔ بسا اوقات وہ قرینہ اس متکلم کے کلام میں خود موجود ہوتا ہے جسے قرینہ لفظیہ کہتے ہیں اور کبھی وہ قرینہ معنوی بھی ہوتا ہے۔ جب اس فعل کی نسبت اس فاعل کی طرف عقلاً' عادتاً اور شرعاً محال ہے۔ (مختصر المعانی ص: 31 مطبوعہ کانپور)

''کن''، تلخیص المفتاح کے مسائل میں سے ایک مسئلہ صنعت التفات ہے۔ کسی چیز کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے کلام میں ایک جگہ تو غائب قرار دیا جائے۔ پھر اسی کلام میں اسے متکلم یا مخاطب بنایا جائے' یہ التفات' ہے مثلاً سورۃ فاتحہ کی پہلی تین آیتوں پر آپ غور کریں۔ جن میں خدا تعالیٰ کا تذکرہ غائب میں ہے۔ چوتھی آیت میں مخاطب اور پانچویں میں مخاطب اس کا نام' صفت التفات' ہے اور (سورۃ نمبر: 10، آیت نمبر 22، پارہ گیارہ، رکوع: 8) میں آپ دیکھیں گے کہ پہلے اور دوسرے جملے میں انسانوں کو مخاطب بنایا گیا ہے اور تیسرے جملے میں غائب اور (سورۃ نمبر: 7، آیت نمبر: 57، پارہ: 8، رکوع: 14) (مختصر المعانی 64 مطبوعہ کانپور) ان مباحث میں خطاب کے متعلق ہے۔ تعریفی خطاب' اصل مخاطب میں ہیں۔ لیکن فتنے سے بچنے کیلئے مخاطب دوسرے کو بنا رہا ہوں۔

خطاب کی حقیقی صورت یہ ہے کہ ایک فرد مخاطب ہو تو اس کے لئے واحد کا لفظ مخصوص ہو' اور اگر جماعت مخاطب ہو' تو اس کیلئے جمع کا لفظ مخصوص ہو' لیکن تشبیہ ''واستعارۃ'' تعریضاً اور کنایۃً فصحا و بلغا کے کلام میں اس کا الٹ بھی ہوتا ہے۔ بظاہر ایک شخص مخاطب بنایا جا سکتا ہے لیکن جماعت کا ہر فرد اس کا مخاطب ہوتا ہے (مختصر المعانی 36) اور بسا اوقات سادہ لوح انسان جس کو مخاطب سمجھتا ہے۔ وہ متکلم کے نزدیک مخاطب ہی نہیں ہوتا۔ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (سورۃ چھ' آیت: 35 پارہ: 7' رکوع: 10) اس دور کے عربوں کو کبھی وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کے مخاطب سرور کائنات ﷺ ہیں بلکہ وہ پوری نسل انسانی ہے۔ جو انمٹ ہدایات خداوندی کا انکار کر رہی ہے اور (سورۃ نمبر: 10 پارہ گیارہ، رکوع: 15، آیت نمبر: 94-95) میں ہے۔ فَاِنْ (1) كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ (2) اِلَيْكَ خطاب واحد ہے اور مخاطب جماعت ہے۔ جس جماعت کے دل میں ہزاروں شکوک اور شبہات بھرے ہوئے تھے فَسْـَٔلِ (3) الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ (4) ان سے پوچھو جو تم سے پہلے کتاب پڑھتے تھے۔ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ (5) پہنچ گئی ہیں تمہارے سامنے حق خدا کی انمٹ حقیقتیں اور ناقابل تردید صداقتیں فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ (6) الْمُمْتَرِيْنَ تمہیں شک کرنے والوں میں سے کبھی نہیں ہونا چاہیے۔ وَلَا (7)

تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اللہ کی آیتوں کو جھٹلانے والے مت فَتَكُوْنَ مِنَ (8) الْخٰسِرِيْنَ آٹھ کے آٹھ خطاب نسل انسانی کو ہیں۔ جو ان ہدایت خداوندی کے شکوک میں مبتلا تھے۔ حضور ﷺ مخاطب نہیں اس سے نسل انسانی مخاطب ہے اگر حضور کو خاکم بدہن مخاطب سمجھا جائے تو یہ صریح کفر ہے اس قسم کے خطابات سے مستشرقین کو یہود کو نصاریٰ کو ہنود کو اور غیر مسلموں کو حضور ﷺ کے خلاف دلائل کے طور پر پیش کیا گیا' چنانچہ اس غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے اسی سورۃ کی 104 (ایک سو چار) آیت میں اس شکل میں پیش کیا۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ اس آیت میں یہ واضح کر دیا کہ تم مخاطب ہو میں نہیں ہوں۔ اس سے مخاطب بگڑی ہوئی نسل انسانی ہے اور پہلے آٹھ خطابوں کی طرح ان واحد خطابوں کا مخاطب بھی بگڑی ہوئی نسل انسانی ہے۔ جیسا مہا گیا۔ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٥﴾ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٦﴾ اگر تم نے میرے حکم کی خلاف ورزی کا سلسلہ جاری رکھا۔ تو تم قیامت کے دن ظالموں کے زمرے سے اٹھو گے پھر اسی سورۃ کی 108 (ایک سو آٹھ) نمبر آیت میں یوں خطاب فرمایا۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ اے بگڑی ہوئی نسل انسانی انمٹ صداقتیں اور نا قابل تردید حقیقتیں تم کو پہنچادی گئیں۔

جب میں نے یہ رابطے علامہ صاحب کو سنائے تو انہوں نے اس خاکسار کو اپنے سینے سے لگا کر دعا کی۔ اللہ اس نوجوان کو اس سیدھی راہ پر قائم رکھے۔

(9) حضرت علامہ اقبالؒ کو مبلغین کے لئے ایک ایسا نصاب مرتب کرنے کا عشق تھا کہ کسی غیر مسلم کو مسلمانوں کی پیش کردہ آیتوں کی آڑ نے حضرت نبی آخر الزمان ﷺ پر راج پال کی طرح دریدہ دہنی کا موقع نہ ملے۔ اس لئے خاکسار کو بار بار یاد فرماتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات اپنے مخلص احباب کی موجودگی میں فرضی طور پر معترض بن کر اعتراضات فرماتے تھے اور جواب کی فرمائش کرتے تھے۔ ایک دن اپنا خاص نمائندہ بھیج کر یاد فرمایا اور پہلا یہ اعتراض فرمایا جو (سورۃ نمبر 80' آیت نمبر 1-11' پارہ تیس' رکوع پہلا) کہ تم نے جو کسی گزشتہ محفل میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ آیت نمبر ایک اور دو وغیرہ میں غائب ضمیروں کا مرجع حضور ﷺ کی ذات گرامی نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مرجع (سورۃ 69 کی آیت 37' 38' 43' 44) میں مذکور ہے۔ جس سے نہایت مختصر الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ دین فروش' زر پرست زراندوز مذہبی پیشوا ہیں۔ اور جن کے دل خوف خدا سے خالی ہیں۔ آج محفل میں تمہارا مزید امتحان لینا چاہتا ہوں کہ آیت نمبر تین چھ سات آٹھ تو دس میں مخاطب کون ہے؟ خاکسار نے ان کے جواب میں عرض کیا کہ قرآنی فصاحت اور بلاغت کے مسلمہ اصولوں میں ایک ضابطہ ''صنعت التفات'' ہے۔ اسی ضابطے کے ماتحت وہ گمراہ کن مذہبی پیشوا ہی مخاطب ہیں۔ جس کی تائید آیت گیارہ' بارہ سے ہوتی ہے آیت گیارہ کیا ہے؟ کل تمہیں ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اس لئے کہ تمہیں جو انمٹ ہدایتیں میری طرف سے دی جاتی ہیں۔ انہیں دوستوں سے بڑھ کر دشمنوں کے سامنے بھی ہر مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے پیش کرنی چاہئیں انہیں قبول کرنا' ان کی تعمیل کرنا اور دوسروں کو ان کی تبلیغ کرنا۔ یہ ان کا فعل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس صنعت کو فصاحت و بلاغت کے ان مسلمہ ضابطوں کو جس بزرگ

نے عمدہ ترتیب سے مرتب فرمایا۔ اس بزرگ کا نام کسی گذشتہ محفل میں علامہ سکا کی کہا گیا ہے۔ اس علمی محفل میں تم بتاؤ کہ اس کا نام نامی کیا تھا؟ اور کس سنہ میں اس کی وفات ہوئی؟ خاکسار نے عرض کیا کہ ان کا نام نامی یوسف بن محمدؒ کنیت یعقوب اور لقب سراج الدین اور 522 ہجری میں ان کی وفات ہوئی تھی۔ اس مقدس محفل کو جاری رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ سورۃ 66 کی ابتدائی پانچ آیتوں کا تم کیا مطلب سمجھے ہو؟ خاکسار نے عرض کیا کہ آپ کی محفل میں جو علمائے کرام موجود ہیں۔ پہلے ان سے آپؒ دریافت فرمالیں۔ کہیں خاکسار کے الفاظ ان کو ناگوار نہ گزریں کہ ہمارے دور میں بزرگ محدثین تو کیا؟ مورخین پر اپنی خوش فہمی سے اتنا اعتماد قائم ہو چکا ہے کہ انہیں ہر وقت انہیں کی عصمت کا وعظ فرمانا پڑتا ہے۔ حالانکہ حقیقت حال یہ ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کسی بزرگ تر صحابی تابعی اور کسی محدث اور فقیہہ کی عصمت کا نہ کسی نے دعویٰ کیا ہے نہ کوئی دعویٰ کر سکتا ہے۔ ان روایتوں کے راویوں کی روایت کی صحت پر جن بزرگ ائمہ کرام نے ان کی روایات کی صحت کا دعویٰ کیا ہے ان کے متعلق بھی صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ غیر معصوم بزرگوں کا ایک فیصلہ ہے۔ خاکسار کی اس گزارش کو سننے کے بعد آپؒ نے ارشاد فرمایا کہ ان بزرگوں کے خیالات میں کئی دنوں سے سن چکا ہوں۔ اور ان لوگوں کے مقدس پیشواؤں کی کتابوں کا مطالعہ بھی کر چکا ہوں۔ تم اپنے خیالات کا اظہار کرو۔ آیت نمبر 1 میں یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ کے لفظ سے افتتاح فرمایا جو واحد مذکر مخاطب کی شکل میں ہے۔ خطاب کیا ہے؟ ان کا مخاطب کون ہے خاکسار نے عرض کیا کہ ہمارے کثر بزرگوں نے اس کا مخاطب بھی حضور ﷺ کو ٹھہرایا ہے۔ لیکن میری ناقص رائے یہی ہے کہ اس کے مخاطب حضور ﷺ کے نام لیوا ہیں اور حضور کی امت کا ایک حصہ اس قبیح فعل کا صبح وشام مرتکب ہوتا ہے۔ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ کو قرآن کریم نے ہر حالت میں قبیح فعل ٹھہرایا ہے۔ یا یہ کہ دوسرے شخص کو خوش کرنے کی خاطر اس کا دائرہ فقط الفاظ تک محدود ہو وہ بھی قبیح فعل ہے اور فقہائے کرام اور محدثین عظام جسے قسم ٹھہراتے ہیں مگر اس قسم ٹھہرانے سے وہ چیز حسین نہیں وہ سکتی۔ قبیح ہی رہے گی اور اس قسم کی بے ہودہ قسم کی توڑنے کا قرآن بھی حکم دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں (سورۃ نمبر:2' آیت نمبر:224' پارہ:2' رکوع:12) یہ ارشاد فرمایا ہے کہ میرے نام پر قسم کھا کر نیک ترین کاموں کا سلسلہ مت روکو اور (سورۃ نمبر:2' آیت نمبر:226) میں عربوں کی ایک ایسی رسم ہے' جسے وہ۔۔۔ کہتے تھے اور جتنی دیر تک چاہتے تھے۔ ازدواجی زندگی کے حقوق خدا کی قسم کھا کر بند کر دیتے تھے اسے روکا اور آیت نمبر 227 میں اعلان کیا کہ ازدواجی زندگی کے بگڑے ہوئے حالات کسی قسم کی اصلاح کے قابل نہیں رہے تو جس طرح ایک مجمع عام میں ازدواجی زندگی کا عہد و پیمان کیا تھا۔ اسی طرح اسے طلاق دے کر توڑ دو۔ اور اسی سورۃ کی آیت نمبر 231 میں اس بدترین زیادتی اور ظالمانہ فعل اور ہدایت خداوندی کو ہنسی اور مذاق قرار دیا اور (سورۃ نمبر:5 آیت نمبر:87، پارہ:7' رکوع:2) میں یہ واضح سے واضح تر اعلان فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ جو میں حدیں مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہیں کرنا۔ اور اسی سورۃ کی آیت نمبر:89 میں قسم توڑ کر کفارہ دینے کا حکم دیا۔ اس لئے اس آیت میں امت ہی مخاطب ہے۔ حضور ﷺ کی ذات گرامی جہاں میں خبیث افعال سے روکنے کیلئے آئی وہاں پاکیزہ ترین چیزوں کو حلال ٹھہرانے کیلئے آئی۔ (سورۃ نمبر:7، آیت نمبر:157، پارہ:9،

رکوع:9)اس لئے اس فعل کو کسی معنی میں بھی رسول اکرم ﷺ کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ پھر یہ بھی دیکھنے کے قابل چیز ہے تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ط کا کسی شکل میں حضور کو مخاطب نہیں بنایا جاسکتا اور وہ ذات پاک جو اللہ کی ہدایتوں کے مطابق یہ بار بار اعلان کرتا ہے۔ کہ تمہیں ہر نیک کام پر اس وقت معاوضہ ملے گا۔ جب صرف خدا کی رضامندی تمہارے پیش نظر ہوگی اگر لفظ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ کسی کو اس لغو ترین خطاب کا مخاطب حضور ﷺ کو بنانے پر آمادہ کرتا ہے۔ تو ان بزرگوں کو (سورۃ نمبر:33 آیت نمبر:1 پارہ:21' رکوع:17) کا مطالعہ فرمانا چاہیے۔ جس آیت کو يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ کے شروع کیا ہے۔ اس کے بعد وہ' طاب کے صیغے استعمال کئے ہیں جن کا مخاطب یہ بزرگ محدثین' مفسرین اور فقہا حضور ﷺ کو نہیں بناتے' کیونکہ یہ فعل حضور ﷺ کی شان نبوت کے خلاف ہے اتق اللہ یعنی ڈر و اللہ سے تقوی تو حضور ﷺ کا ذاتی فعل تھا اور نزول قرآن سے قبل بھی چالیس برس تک حضور ﷺ کے معجزانہ کمالات میں شمار ہوتا تھا۔ جو تقویٰ کا مجسمہ ہیں۔ امام سیوطیؒ نے اپنی مشہور تفسیر' اتقان' میں ایک حصہ خطابات قرآن کے متعلق لکھا ہے جس میں یہ تصریح کر جی ہے کہ جو فعل حضرت خاتم النبیین ﷺ کی شان کے خلاف ہے اس خطاب کا تعلق امت کے ساتھ ہے۔ حضور ﷺ کے ساتھ نہیں دوسرا خطاب اس آیت میں یہ ہے وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ط معاذ اللہ اس کے مخاطب حضور ﷺ نہیں خاکم بدہن۔ اس کے مخاطب ہم ہیں جو ان کا کلمہ پڑھتے ہوئے خدا تعالیٰ کی ہدایتوں کے خلاف کفار کی ہدایتوں کی تعمیل و تبلیغ کرتے ہیں اور اسی سورۃ کی آیت نمبر:48 میں یہی ناپسندیدہ خطاب حضور ﷺ کا نام لے کر امت کو مخاطب کیا گیا ہے۔ آثار تو شہادت دیتے ہیں کہ معاذ اللہ اس خطاب کا مخاطب بھی حضور ﷺ ہیں لیکن اگر اس کا مخاطب حضور ﷺ کو بنیا جائے۔ تو حضور ﷺ کی عصمت اور پاک دامنی کی تمام عمارت ناپید ہو جاتی ہے۔ لہٰذا سورۃ نمبر:66 کی پہلی آیت میں امت ہی مخاطب ہے۔ جو آئے دن اس فعل قبیح کی مرتکب ہوتی رہتی ہے اس حقیقت کو اس سورۃ کی دوسری آیت میں یہ کہہ کر واضح کر دیا کہ:قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ج کہ انمٹ حقیقت ہے کہ تم اس قسم کی قسموں کو توڑ کر خدا تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا کفارہ ادا کر دو' لہٰذا قسمیں کھانے والے بھی ہم اور جن کو کفارہ ادا کرنیکا یہ حکم ہے وہ امت ہی ہے۔ ورنہ خاکم بدہن تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ج کی قسم حضور ﷺ کھائیں اور قسم کے توڑنے کا کیا رہ امت ادا کرے' یہ کوئی مفہوم نہیں' لہٰذا دوسری آیت میں قسمی توڑ کر کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ وہی لوگ پہلی آیت میں یہ لغو قسمیں کھانے کے مخاطب ہیں۔ اسی سورۃ کی آیت نمبر تین میں یہ اعلان فرمایا کہ تم بن عورتوں کی رضامندی حاصل کرنے کی لغو قسمیں کھاتے ہو۔ تو یہ تمہارے راز دوسروں کے سامنے افشا کرتی رہتی ہیں ے گو وہ عورتیں نبی کی بیویاں ہو کیوں نہ بن جائیں اور ان عورتوں کی مشکوک رضامندی کا مفہو مجو تمہارے ذہن میں ہے وہ کبھی پورا نہ ہوگا۔

آیت نمبر:4 اور 5 میں جملہ شرطیہ کی شکل میں جو خطاب نظر آتا ہے اسے بھی علم فصاحت و بلاغت میں اپنے ایک اصول کے ماتحت طے کر دیا۔ عام طور پر عربی میں شرطیہ کے لئے تین حرف استعمال ہوتے ہیں' 1۔ان۔2۔اذا۔3۔لو۔

اول الذکر اس شرطیہ میں استعمال ہوتا ہے۔ جو ممکن الوقوع ہو۔

ثانی الذکر اس جملہ شرطیہ میں استعمال ہوتا ہے۔ جہاں شرط کا وقوع یقینی ہو۔

اور ثالث الذکر اس شرطیہ میں استعمال ہوتا ہے۔ جس شرطیہ میں شرط کا عدم وقوع یقینی ہو یا اس کا وقوع یقینی ہو۔ وہاں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

(سورۃ نمبر:43 کی آیت نمبر:81، پارہ نمبر:25، رکوع:13) میں اسی شرطیہ پر غور فرمائیں: قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ یہاں ان کے معنی لو کے ہیں یعنی بہ فرض محال اگر خداوند کریم کی کوئی اولاد ہوتی یعنی بیٹا یا بیٹی' تو میں اس کا پہلا عبادت گزار ہوتا۔ اس شرطیہ میں شرط کا وقوع محال اور ممنوع ہے۔ ورنہ ساری توحید کی تعلیم ختم ہو جائے گی۔ لیکن لفظ ان' استعمال کر دیا اور سورۃ نمبر:2 میں آیت نمبر: 23 پارہ:1' رکوع:3) وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا یعنی ان کا لفظ استعمال ہوا ہے حالانکہ اس جملہ شرطیہ کی شرط کا وقوع یقینی ہے اور قرآن اس کا ذکر بار بار کرتا ہے۔ لفظ ان یہاں (اذا) کی جلہ استعمال ہوا ہے کیونکہ قرآن کریم کے مخالفین اس وقت شکوک وشبہات کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے اور یہ شرط کے وقوع کا نہ صرف امکان تھا بلکہ اس کا وقوع یقینی تھا اس لئے اس آیت نمبر:4 میں ان کے افشائے راز کرنے والی نبی کی بیویوں کے لئے دو جملے شرطیہ استعمال کئے۔ پہلا جملہ ان تتو با الی اللہ افشائے راز پر جب تمہاری شان شایان ندامت موجود ہے۔ اس کی علت اور سبب یہ ہے کہ تمہارے دل ودماغ میں اور گفتار وکردار میں نبی کی محبت رچی بسی ہوئی ہے۔ اس کا ترجمہ آپ اگر کی بجائے جب سے کریں۔ یعنی ان کو اذا کے معنی میں استعمال کریں۔ تو کوئی الجھن نہیں پیدا ہوگی۔ بلکہ ازواج مطہرات کی مدح وستائش کا پہلو نکلے گا۔ دوسرے جملے کا مفہوم بھی یہی ہے اور ان اس جملہ شرطیہ میں حرف شرط ''لو'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے تو اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اگر بفرض محال تم نے ایک دوسرے کی حمایت کی اور امداد کی خدانخواستہ اگر اس افشائے راز کی بجائے معین ومددگار بن گئیں اور اپنے اس ناپسندیدہ فعل پر بفرض محال ندامت کی جگہ تم نے ایک دوسرے کی پشت پناہی شروع کر دی۔ تو نبی کی شان میں کوئی فرق نہ پیدا ہوگا اس لئے کہ اس نبی ﷺ کے مددگار خدا تعالیٰ اور فرشتے اور نیکوکار ایماندار موجود ہیں اور وہ تمہاری مدد کا محتاج نہیں لہذا اس آیت میں بھی ''ان'' ''لو'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جو اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے کہ ان کا افشائے راز اور اس مجرمانہ فعل پر اتحاد اور امداد باہمی کا وقوع محال ہے۔ اسی طرح آیت نمبر:5 میں بھی' ان کا لفظ'' لو' کے معنی میں مستعمل ہے۔ ان طلقکن اگر طلاق دے دی اس نے تم کو تو تمہارا ہی صرف نقصان ہوگا۔ وہ تو تمہاری جگہ تم سے بہتر عورتیں ہدایت' دعوت وتبلیغ خداوندی کے لئے منتخب کر لیں گے اس ترجمہ میں کئی قصے پیش کئے گیے ہیں۔ لیکن یہ سب غلط ہیں' کیونکہ ان یہاں بھی ''لو'' کے معنی میں استعمال ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس شرطیہ کا عدم وقوع یقینی ہے یعنی وہ نبی ﷺ تمہاری مخلصانہ فداکاریوں کو دیکھتا' تو ہرگز طلاق نہیں دے گا۔ اور تم سے ازدواجی تعلقات منقطع نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ یہ لعلقات نبی ﷺ اور تمہاری مرضی اور تمہارے رشتہ داروں کی مرضی سے طے نہیں ہوئے بلکہ خدا تعالیٰ کی صریح ہدایتوں کے مطابق ہوئے ہیں۔

(سورۃ نمبر:33' آیت نمبر:28-29 پارہ نمبر:22' رکوع نمبر:1) یعنی نبی کریم ﷺ کو اس شرط کا اعلان کرنا پڑا کہ جو عورتیں آپ کی ازدواجی زندگی میں آنا چاہیں اور پیغمبرؐ ان کو اپنی ازدواجی زندگی میں لانا چاہے۔ تو نا کے رشتہ داروں پر واضح

کردے کہ اگر تم دنیاوی آسائشوں کو پیش نظر رکھ کر ان کی ازدواجی زندگی میں آنا چاہو تو تمہیں اس بات سے مجتنب رہنا چاہیے۔ اور یہ بھی اعلان فرمادیا اسی سورہ کی 34 آیت میں کہ میرے بے مثل نبی ﷺ کی ازدواجی زندگی میں آنے والی نیکو کار عورتیں بھی بے نظیر و بے مثال ہیں اور ان کی یہ بے مثل صفت مرتے دم تک قائم رہے گی۔ اور نہیں خصوصیات کی وجہ سے نہیں امہات المومنین کا لقب خدا نے عطا فرمایا۔ (سورۃ:33 آیت نمبر:6 پارہ:21 رکوع:17) اور ان کی پاکیزہ ترین ازدواجی زادگی کا تذکرہ سورۃ:33 کی آیت نمبر چونتیس میں کیا وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ط یعنی تمہاری ازدواجی زندگی کا اہم ترین مقصد ہے کہ جہاں سیکڑوں ہزاروں مردوں کو حضور ﷺ قرآن کریم کی آیتوں کا امین بنا رہے ہیں اور صبح وشام ان کی تصدیق وتعمیل کے بعد ان کی تبلیغ کرنا ان کا فرض ٹھہراتے ہیں۔ اسی طرح اس نبی کا فرض ہے کہ رسمی طور پر ازدواجی تعلقات قائم کر لئے جائیں اور ان نیکو کا بے مثل عورتوں کو خدا کی بے مثل ہدایتوں کا بے تکلفی سے درس دیں اور اسی سورۃ 33' آیت نمبر:50 اور 51 میں جہاں اس ازدواجی زندگی کے متعلق حضور ﷺ کے فرائض کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وہاں ازواج مطہرات ؓ کی یہ بے مثل خصوصیت بیان فرمائی ہے کہ ان کی آنکھیں حضور ﷺ کی محبت سے اس وقت ٹھنڈی ہوتی ہیں جب حضور ﷺ ہدایات خداوندی کا درس دینے میں زیادہ فرماتے ہیں تو بجائے رنجش وحسد کے ان کے دل میں مسرت وفرحت کے دریا بہنے لگتے ہیں اور ضروریات زندگی میں سے جو کچھ بھی حضور عطا فرماتے ہیں۔ اس عطیہ کی شاہی تخت و تاج سے زیادہ قدر کرتی ہیں بلکہ واقعات میں ہے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ عصر کے وقت تو معاشی زندگی کے اسباب و ذرائع ان میں آپ ﷺ تقسیم فرماتے تھے اور شام کے وقت تک عشا کے وقت تک ضروریات زندگی کی کوئی چیز بھی اپنے گھر میں فالتو نہیں رہنے دیتے تھے اور ان تمام چیزوں کو بے کس اور بے نوا گھرانوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ اور جب رب العالمین کی منشا کے مطابق ان بے مثل ٹرینڈ ازواج مطہرات کی تعداد پوری ہوگئی۔ تو حضور ﷺ کو حکم دیا اب ان کے بعد کسی عورت سے ازدواجی زندگی کا تعلق قائم مت کرو۔ بلکہ یہ بھی حکم دیا کہ یہ بھی آپ نہیں کر سکتے کہ اگر کوئی عورت اعلیٰ سے اعلیٰ صفات کی مالک ہو۔ ان موجودہ ازواج مطہرات میں سے کسی کو الگ کر دیں اور اس کی جگہ اس اعلیٰ ترین اخلاق کی مجسمہ عورت کو اپنی ازدواجی زندگی میں لے آئیں اور اسی سورۃ کی آیت نمبر:53 میں مسلمانوں کو ازواج مطہرات کی امہات المومنین ہونے کی یوں حقیقت بھی بیان فرمادی۔ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ط ان ہدایت کو پیش نظر رکھ کر مفسرین کی الجھی ہوئی روایتوں میں کون پھنس سکتا ہے۔

حضرت علامہ اقبالؒ نے خاکسار کی یہ گزارشیں سننے کے بعد علما کی موجودگی میں فرمیا کہ بڑے بڑے محدثین نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے ان کی کسی لغزش سے متاثر ہو کر انہیں طلاق دے دی تھی۔ خاکسار نے گزارش کی کہ اس قرآن میں جو چودہ سو سال سے ہمارے پاس چلا آتا ہے۔ اس میں ان بیان کردہ واقعات کے سوا کوئی واقعہ درج نہیں بلکہ ایک ایسی حقیقت صحیح بخاری میں موجود ہے جو ہمارے ان بزرگوں کے کئے کرائے پر پانی پھیر دیتی ہے۔ حضرت عمرؓ کو ان کے قابل اعتماد دوست اور پڑوسی نے یہ حیران کن اطلاع دی کہ حضور ﷺ نے تمام ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے وہ اسی وقت

تیار ہو کر مسجد نبوی کی طرف روانہ ہوئے۔ جب مسجد نبوی میں حاضر ہوئے تو وہاں برگزیدہ صحابہ کرام کو روتا ہوا پایا۔ ان سے رونے کی وجہ پوچھی تو نہوں نے آپ کے پڑوسی کی تصدیق کی۔ چنانچہ آپ نے اس الجھن سے نکالنے کیلئے سرور کونین ﷺ کے دروازے پر کچھ وقفے ڈال کر تین دفعہ حاضر ہونے کی اجازت مانگی۔ آپ نے اپنے مخصوص کارکن کے ذریعے اپنی معذوری کا اظہار فرمایا لیکن میری یہ خوش قسمتی تھی کہ کہ جب میں حجرہ مبارکہ سے دو چار قدم آگے نکلا تو حضور ﷺ کا خادم خاص دوڑتا ہوا پہنچا کہ حضور ﷺ یاد فرما رہے ہیں میری مسرت کی حد نہ رہی۔ اس بے حد مسرت کے ساتھ میں آپ کے دربار میں حاضر ہوا کہ خون آلود کپڑوں میں لپٹے ہوئے آپ ﷺ ایک بڑا سرہانہ سر کے نیچے رکھے ہوئے لیٹے ہوئے تھے اور فرش کی چٹائی بھی خون آلود تھی۔ یہ نظارہ دیکھ کر میں حیرت میں رہ گیا۔ آپ ﷺ نے میری حیرت کو ختم کرنے کے لئے خود ارشاد فرمایا کہ کس مقصد کو پیش نظر رکھ کر تم آئے ہو؟ عرض کیا اے رسول ﷺ کیا سچ مچ آپ ﷺ نے اپنی عورتوں کو طلاق دے دی؟ آپ ﷺ نے اس سوال سے متاثر ہو کر ارشاد فرمایا کہ بخدا ایسا کوئی واقعہ نہیں میں نے راویوں کی آہ و بکا کو ختم کرنے کے لئے نعرہ تکبیر بلند کیا آپ ﷺ نے تکیہ کا ذرا سہارا لیتے ہوئے سنبھل کر فرمایا کہ مدینہ کے قرب و جوار میں ایک بستی میں جو مسلمان پارٹیوں کا کچھ جھگڑا تھا وہ عشا کے بعد میرے پاس آئے اور مجھے اپنی بستی میں لے جانے پر اصرار کیا۔ میں بین الناس کا فریضہ ادا کرنے کیلئے ان کی درخواست منظور کرتے ہوئے اپنی سواری پر اکیلا ہی روانہ ہو گیا اور جب صلح کرا کر واپس ہوا تو ایک گھاٹی میں سے گزرتے ہوئے میری سواری بے لگام ہو گئی۔ اس کے بے قابو ہونے کی وجہ سے میں گر گیا۔ لیکن چند قدموں پر سواری رک گئی۔ میں اس شدید ترین زخمی حالت میں اس پر سوار ہو کر گھر پہنچا اور ازواج مطہرات میری انتظار میں تھیں۔ مجھے اس شدید ترین زخمی حالت میں دیکھ کر آہ و بکا شروع کر دی۔ جو مجھے قطعاً ناگوار گزری کیونکہ وہ اپنی جگہ مجبور تھیں میں اپنی جگہ مجبور، ان کا فرض تھا کہ وہ میری حالت زار کو دیکھ کر آہ و بکا کا شکار ہوں اور میں اپنی جگہ۔ میں ان کو روکتے ہوئے انہیں کہا کہ میرے کمرے سے نکل جاؤ بس بات اتنی تھی جس کا بتنگڑ بن گیا۔

حضرت علامہؒ بے حد مسرور ہوئے اور مرحوم تاثیر پرنسپل اسلامیہ کالج کو حکم دیا کہ صبح جب ان کے درس میں جاؤ تو صحیح بخاری کا وہ صفحہ نوٹ کر کے لے آنا۔ لہٰذا میں ان کی مخلصانہ دعاؤں کے بعد رخصت ہو کر گھر آ گیا۔

ضرورتِ رشتہ

قرآنی گھرانہ سے بیٹی عمر 29 سال تعلیم سائیکالوجی، پنجاب یونیورسٹی لاہور یا لاہور کے نزدیک سے ترجیحاً مغل برادری سے ہم پلہ/ مناسب رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ

0300-0124746, 0309-2011117

Surah Al-Najm (النجم)
Durus-al-Qur'an: Chapter 2

By G. A. Parwez
(Translated by: Mansoor Alam)

My dear friends, today is October 8, 1982 and our lecture starts with Surah Al-Najm (النجم) verse (53:1).

The second part of Mi'raj

As I mentioned in the last lecture, our scholars bring the proof of Mi'raj from this Surah and the first verse of Surah Bani Israel. I thought it proper to provide an introduction to the event of Mi'raj that continues as a tradition. This event is divided into two phases. In the last lecture, we discussed the first phase of the Prophet's (PBUH) stated journey on Buraq from Makkah to Jerusalem in the words of Maulana Maududi, considered to be a great scholar of the twentieth century.

Now we come to the second phase of the journey from Jerusalem to the heavens: after the Prophet (PBUH) led all the previous Prophets into prayer, a ladder was presented to him through which angel Gabriel took the Prophet (PBUH) to the heavens. In Arabic language Mi'raj means ladder and hence the name of this event. I thought it appropriate that I should present to you the details of this second part of the journey as well – again in the words of Maulana Maududi.

Here it is: "When the Prophet (PBUH) reached the first heaven then the angel guarding the door of the first heaven asked: Who is there? Gabriel replied, it is me. Then he asked: Who is with you? Gabriel replied: He is Muhammad. Then he asked: has been invited? Gabriel replied, yes. Then the door opened and the Prophet (PBUH) was greeted profusely and he was introduced to angels and some great souls who were the resident of the first heaven. Among them, there was one elder personality who was a perfect model of human being with total facial and body symmetry, and without any trace of flaw anywhere. Gabriel told the Prophet (PBUH) that he is the very first person Adam created by the Almighty. There were many persons on his right and left sides. When he saw those on the right he felt very happy. But when he saw those on the left then he felt very sad and he cried. The Prophet (PBUH) asked Gabriel, what is going on with him? Gabriel told that they are his progeny. When sees the good and pious ones on his right side he feels very happy. But when he sees his bad progeny on his left he feels sad and he cries.

"The Prophet (PBUH) then saw a group of people harvesting a crop. The more they were cutting the crop the more it was growing. Then he asked Gabriel, what is going

on here? Gabriel told that they are the Mujahedin who did Jihad in the way of Allah. Then the Prophet (PBUH) saw that there were people whose head was being crushed with stones. When the Prophet (PBUH) enquired about them then he was told that these are the people whose mental burden stopped them from praying. Then he saw people wearing patched clothes and were grazing grass like animals. He was told that they are those who did not pay Zakat from their wealth. Then the Prophet (PBUH) saw a person trying to lift a bundle of woods but could not lift it. Instead of remove some of the woods so that he could lift the bundle, he was putting more and more woods into the bundle and was trying to lift it and failing repeatedly. After seeing this the Prophet (PBUH) asked who is this idiot? He was told that this was the person who could not bear his responsibilities and trusts, but then instead of reducing them he kept on increasing them. Then the Prophet (PBUH) saw that there are some whose lips and tongues were being chopped off with scissors. Why was this being done to them? Because they used to gossip and spread rumors. At one place a bull came out from inside the crack of a stone and then tried to go back in through the crack but could not. The Prophet (PBUH) asked what is going on here? The reply came that this is an example of a person who was reckless and said insidious things and then felt sorry and wanted to retract but could not. At another place there were people who were cutting their own flesh and eating it. What is going on here? He was told these are the people who used to malign others....

"This continued until the Prophet (PBUH) and Gabriel reached the second heaven. The Prophet (PBUH) met Yahiya (PBUH) and Jesus (PBUH) there. On the third heaven there was a gentleman who was so handsome compared to common man as if he was full moon compared to stars. He was Yusuf (PBUH). On the fourth heaven the Prophet (PBUH) met Idris (PBUH), on the fifth heaven he met Harun (PBUH), on the sixth heaven he met Musa (PBUH). On the seventh heaven he saw a huge beautiful palace where there was heavy traffic of angels going in and out of the palace. The Prophet (PBUH) met there an elderly gentleman who looked like him. He was told that he is Prophet Ibrahim (PBUH). After further travel the Prophet (PBUH) reached Sidrat-ul-Muntaha. Everyone stops here. No further entry is allowed after this except direct divine invitation. The Prophet (PBUH) was then shown the Jannah where such things were available which no one had seen nor heard nor even imagined before. At this place Gabriel stopped. The Prophet (PBUH) then went ahead alone and saw a grand lofty throne where Allah was sitting there. Allah and the Prophet (PBUH) conversed and Allah offered the following gifts to him: 50 obligatory prayers each day; the last two verses of Surah Al-Baqarah; everything will be forgiven except Shirk. He was told that if anyone intends to do good then he will get one reward for the intention and when he does it then he will get ten further rewards. However, if anyone intends to do bad and then does the bad thing then he will be charge with only one sin. After meeting Allah, the Prophet (PBUH) on his return journey met Musa

(PBUH) and mentioned what Allah had offered him. At this Musa (PBUH) said: I have bitter experience with Israelites and your Ummah would not be able to fulfil 50 prayers each day. Please go and get it reduced. So the Prophet (PBUH) went and pleaded with Allah to reduce it. Allah then reduced it by ten. At this Musa (PBUH) again said that your Ummah would not be able to fulfil even this many. So, the Prophet (PBUH) went back and forth at the insistence of Musa (PBUH) until Allah reduced it to five daily prayers, which will count as equal to fifty.

"On the return journey the Prophet (PBUH) came down on the ladder to Bait-al Muqaddas (بیت المقدس) in Jerusalem. Again, all the previous messengers were present there. The Prophet (PBUH) led all of them in Fajr prayer and returned to Makkah on Buraq. When Prophet (PBUH) told about his journey then the Kuffar made fun of him, and this news quickly spread to all of Makkah. Many who had accepted Islam left it. Then the Prophet (PBUH) mentioned signs he encountered in this journey. He told Meccans: I passed through so and so caravans that were carrying such and such things; that the camels in one caravan were disturbed by the flight of Buraq and one camel ran away to such and such valley; and he told about it to the caravan leaders so that they could find it. He further told them: that on my return journey I found everyone sleeping in a caravan; so I went there and drank water from a bowl and left a sign there; and that caravan later found a proof of this. After these proofs provided by the Prophet (PBUH) everyone was convinced and became quiet…."

There is one problem with traditional description of Mi'raj

This event of Mi'raj is considered as a great honor and respect for our Prophet (PBUH). But there is one issue here. The Prophet (PBUH) was born in Makkah in the most respected family of Bani Hashem of the tribe of Quraysh from the branch of Ibrahim (PBUH), who, along with his son Ismail (PBUH), built the Kaaba, the very first house of God. But, according to hadith, the Prophet (PBUH) for thirteen years were praying towards Bait-al Muqaddas (بیت المقدس) in Jerusalem, instead of Kaaba. However, in Makkah this conflict was resolved by praying in such a way that both Kaaba and Bait-al Muqaddas could be lined up in the same direction. But this was not possible in Medina. So, the Prophet felt tension in his heart praying towards Jerusalem, and not towards Makkah. Finally, as reported in hadith that after two or three years, the order came from Allah to switch the direction towards Makkah.

The traditional concept of change in Qiblah

My dear friends, as reported in hadith, the Prophet (PBUH) was praying Zuhr or Asr in a mosque (not the Prophet's Masjid) facing towards Jerusalem that suddenly the order came from Allah to change the Qiblah towards Makkah in the middle of the prayer. This new direction was in the opposite direction. Now the followers could move to the new direction simply by turning hundred eighty degrees at their own place. However, the Imam had to walk all the way (around the rows) and then stand in front of the rows – where the front row, now became the back row; and the back row

became the front row. That is how the Prophet (PBUH) completed the prayer. Because of this change in Qiblah this Majid is known as Masjid Qiblatain (Masjid with two Qiblahs). This Masjid then had two arches for the Imam – one towards Jerusalem and one towards Makkah. But now, when I visited, I found that only a sign of arch has been created on the wall to signify the original Qiblah towards Jerusalem.

As I mentioned before, please note that Prophet (PBUH) is not only a descendent from the family of Ibrahim (PBUH) but also he was from the Millah of Ibrahim (PBUH). He was from a prominent family of Hashim of the tribe of Quraysh. Kaaba was the center of all Arabs. Being custodians of Kaaba, Quraysh were highly respected in the entire Arabia. The entire operation of Kaaba was in their hands. Everyone's caravans were looted but not of Quraysh. Their caravans were busy all year round and no one could dare to glance at them with a bad eye, let alone loot them.

A great conspiracy to downgrade the respect of Kaaba

My dear friends, please note that the Prophet (PBUH) was born and raised in Makkah where Kaaba, the first how house God was the prominent center of religious and cultural life of all Arabs. But according to hadith he prayed towards Bait-al Muqaddas (بیت المقدس) in Jerusalem for thirteen years in Makkah and for another 2-3 years in Medina after migration. And according to research by Mr. Maududi, Jerusalem was nothing but rubbles; that Solomon temple had been demolished by the Byzantines and they were throwing garbage there, which Khalifa Umar (R) cleared himself to pray when Jerusalem was conquered during his reign. But the narrations (that were compiled two hundred years after the Prophet (PBUH) by Iranian Imams) say that the Prophet (PBUH) prayed towards it for thirteen years while in Makkah and two-three years in Medina! Do you notice my friends, how the status of Jerusalem has been raised compared to Kaaba by these fake narrations? And further, couldn't our Prophet (PBUH) go directly to the heavens from Makkah? Why did he have to go to Jerusalem first, and then to the heavens? Therefore, the narrations – described in different hadiths have many differences in their details regarding the same event – must have been concocted to raise the status of Jerusalem compared to Makkah.

Moses' (PBUH) role in reducing the number of prayers

My dear friends, don't ask how much differences the different narrations have about when this event occurred, and where was the Prophet (PBUH) sleeping when woken up by Gabriel. Different dates are found about this event in different narrations. Leave aside these differences, let us take the role of Moses (PBUH) played when he suggested to get the number of prayers reduced that Allah had offered the Prophet (PBUH). Just think about it my friends! Allah didn't know that Prophet's Ummah would not be able to fulfil this obligation but Moses (PBUH) knew that. And how the Prophet (PBUH) kept shuttling back and forth between Allah and Moses (PBUH) to get the number of prayers reduced at his suggestion, so much so that some narrations

mention that Moses (PBUH) suggested to the Prophet (PBUH) that his Ummah would not be able to fulfil even the five daily prayers; and at this the Prophet (PBUH) said that I feel ashamed to go to Allah now! Do you see how the narrators have raised the status of not only Jerusalem but also Moses (PBUH) compared to our Prophet (PBUH); and Allah, the all-knowledgeable, kept reducing the number at the suggestion of Moses (PBUH)? Israelites tell that if your Prophet (PBUH) had gone to God once more as suggested by our Prophet Moses (PBIH) then your five daily prayers would have been even reduced further!

According to the Quran we are required to believe in all the Prophets (Peace Be on All of Them). The most important command of Allah – the number of obligatory prayers – is finally being decided by Moses (PBUH), the messenger to Israelites who don't even believe in our Prophet (PBUH); whereas Muslims have to believe in all of the messengers although the Quran has said some were granted higher status that others depending upon the sphere of their influence. For example, our Prophet (PBUH) who is the last one and whose sphere of influence is the entire world and all human beings. So, it is obvious that this is a conspiracy must have been hatched to reduce the importance of our Prophet (PBUH).

The Quran's call to Jews and the status of the Prophet (PBUH)

The Prophet's majesty according to the Quran is that the revelation ended on him and the Quran is the final Book of Allah. Islam is the last *Deen* until eternity. It is complete and unchangeable forever. It abrogated all the previous *Deens*. The Quran has repeatedly instructed the Jews to believe in its message and its messenger, the Prophet Muhammad (PBUH). Moses (PBUH) has prayed to God that Thou has bestowed Thy Blessings on me and my people. I pray that please continue these blessings in future. The Quran says that Allah told Moses that a time will come when the final messenger will be sent and he will bring the final message to humanity; that if your people will accept his messenger-hood and follow his message, then these blessings will continue. Otherwise, not.

This is the position of Islam: as Deen and Prophet Muhammad (PBUH) as its Messenger. Israelites kept telling the Prophet (PBUH) that their Deen is superior. At this the Quran asks them to provide proof: قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (2:111) – Provide the proof if you are truthful. No other Deen could claim superiority over Islam on the basis of proof. My dear friends, the Quran clearly told: لَا بُرْهَانَ لَهُ (23:117) – Our claim is based on much knowledge and reason. Whosoever says anything against it and invokes another authority, will find no evidence to substantiate his claim. So, all these narrations that make Jerusalem as the first Qiblah; that make Jerusalem as the place from which the Prophet (PBUH) went to heaven; that say that Moses (PBUH) was advising Prophet (PBUH) to get the prayers reduced – raise the status of Jerusalem over Kaaba and raise the status of Moses (PBUH) over our Prophet (PBUH).

(ب) انسانی ذات میں یہ صفات بطور ممکناتِ زندگی مضمر یا خوابیدہ شکل میں ہوتی ہیں۔ان کو مشہود یا بارآور (Actualise) کرنا ہوتا ہے۔

(ج) صفات خداوندی کے جذبات سے بلند، منزا اور مبرا ہونے کے بالمقابل، انسانی صفات میں جذبات کا دخل ہوتا ہے۔شہودِ صفات سے پہلے جذبات پر پورا پورا کنٹرول کرنا لازمی امر ہوتا ہے۔

5- انسانی زندگی کا مقصود یہی ہے کہ ان صفاتِ خداوندی کو معیار بناتے ہوئے ہر ممکن استعداد سے انہیں اپنے اندر منعکس کیا جائے۔جوں جوں انسانی ذات میں ان صفات کی نمود ہوتی جاتی ہے وہ خدا کا قرب حاصل کرتا ہوا اس کے رنگ (صبغۃ اللہ) میں رنگا جاتا ہے۔اس طرح وہ خدا کے تخلیقی پروگرام میں شریک ہوتا جاتا ہے اور خدا اور بندے کا تعلق رفاقت کا ہو جاتا ہے جس میں بہرحال خدا رفیق اعلیٰ ہوتا ہے۔

6- صفاتِ خداوندی کی انسانی ذات میں نمود سے جوں جوں اس کی نشوونما ہوتی جاتی ہے، یہ اس کے ایمان اور سیرت میں مزید پختگی کا باعث بنتی ہے۔اس طرح وہ ارتقائی مراحل سے گذرتے ہوئے حیات بعد الممات کا امیدوار بننے کے قابل ہو جاتا ہے تاکہ اس مقام کے حصول کے بعد وہ مزید ارتقائی مراحل طے کرنے کی صلاحیت حاصل کر سکے۔

7- صفاتِ خداوندی متعدد اور متنوع ہونے کے علاوہ بعض مقامات پر، باہم گر متضاد بھی ہیں۔مثلاً وہ رحیم و کریم بھی ہے اور جبار و قہار بھی۔ذات (کیریکٹر) کے معنی یہ ہیں کہ جس جگہ جس قسم کی صفت کی نمود ضروری ہو وہاں اس صفت کا ظہور ہو اور حسنیٰ کے تحت اس قدر ظہور ہو جس قدر اس موقع پر اس کی ضرورت ہو۔اگر غفور و رحیم کی صفات کے اطلاق ہونے کے مواقع پر قہاریت و جباریت کی صفات کا ظہور ہو جائے تو اس سے نظامِ عالم میں اصلاح کی بجائے فساد برپا ہو سکتا ہے۔

8- انسانی ذات میں ان صفات کی نمود ایسی شے نہیں جس کے متعلق دوسرے کو کچھ علم ہی نہ ہو سکے۔ان صفات کا اظہار، انسان کی سیرت و کردار میں ہوتا ہے، جو مرئی اور محسوس شکل میں ہر ایک کے سامنے آ جاتا ہے۔اسی کو انسان کا کیریکٹر کہتے ہیں۔

☆☆☆

(اشاعت کے لئے محترم ڈاکٹر انعام الحق نے تعاون کیا ہے۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

PUBLISHED SINCE 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL.NO. 28
VOL.73
ISSUE
12

Monthly
TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546, 042-35753666
E-mail:idarati@gmail.com
Web:www.toluislam.com www.facebook.com/talueislam/



''اس حقیقت سے ہر مسلمان باخبر ہے کہ قرآن کے قوانین صرف مذہبی اور اخلاقی حدود تک محدود نہیں۔ گبن ایک مقام پر لکھتا ہے کہ بحر اٹلانٹک سے لے کر گنگا تک ہر جگہ قرآن کو ضابطۂ حیات کے طور پر مانا جاتا ہے جس کا تعلق صرف الٰہیات تک نہیں بلکہ وہ مسلمانوں کے لئے سول اور فوجداری قوانین کا ضابطہ ہے جس کے قوانین نوعِ انسان کے تمام احوال و اعمال کو محیط ہیں اور وہ منشائے خداوندی کے مظہر ہیں۔ اس حقیقت سے سوائے جہلا کے ہر شخص واقف ہے کہ قرآن مسلمانوں کا ضابطۂ حیات ہے۔ مذہب، معاشرت، تجارت، عدالت، فوج، سول اور فوجداری کے تمام قوانین کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے، مذہبی رسوم ہوں یا روزمرہ کی زندگی کے عام معاملات، روح کی نجات کا سوال ہو یا بدن کی صفائی کا، اس دنیا میں مجرموں کی سزا کا سوال ہو یا آخرت کی عقوبت کا، ان تمام معاملات کے لئے اس ضابطے میں قوانین موجود ہیں۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہر مسلمان کو قرآن کا نسخہ اپنے پاس رکھنا چاہئے۔''

(تقاریر و تحریراتِ جناحؒ، حصہ دوم، صفحہ:405)